

# چند قطرے خون

اشتیاق احمد





شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

محمود، فاروق، فرزانہ اور

انسپلر جیشید سیرین..... ناول نمبر 692

# چند قطرے خون

اشتیاق احمد

## جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس ناول کے نام واقعات اور کردار سب فرضی ہیں۔  
کسی قسم کی مماثلت کے لئے ادارہ یا مصنف ذمہ دار نہ ہوں گے

نام ناول..... چند قطرے خون

ناشر..... اشتیاق احمد

ترجمین..... محمد سعید نامدار

سرکولیشن..... محمد یار میجر

کمپوزر..... اے۔ آر۔ قاری وقی

ڈائیکٹل کیپیوٹررز، نواب مارکیٹ، بمبئی

قیمت..... 18 روپے

مخبر پتھر سے چھو کر انداز بک ڈپو لاہور سے شائع کیا۔

9/12 نسیم آباد۔ سائڈ کال۔ لاہور

7112969-7246356 فون

انداز بک ڈپو

اسٹاکس: محبوب بک ڈپو۔ اردو بازار لاہور

## حدیث نبوی ﷺ

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن نوح علیہ السلام  
کو لایا جائے گا، ان سے کہا جائے گا۔ تم نے اپنی امت کو پیغام  
رسالت پہنچادیا۔ وہ کہیں گے۔ ہاں اے میرے پروردگار۔  
ان کی امت سے سوال کیا جائے گا۔ وہ کہیں گی، ہمارے پاس  
کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ ان سے کہا جائے گا، آپ کے گواہ  
کون ہیں۔ وہ کہیں گے، محمد ﷺ اور ان کی امت۔ رسول  
ﷺ نے فرمایا۔ تم کو لایا جائے گا، تم گواہی دو گے کہ نوح  
علیہ السلام نے پیغام رسالت پہنچادیا۔ پھر رسول ﷺ نے  
یہ آیت پڑھی۔

”اور اس طرح ہم نے تم کو افضل امت بتلایا تاکہ تم گواہی  
دو لوگوں پر اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔“

مشکوٰۃ شریف

(روایت کیا اس کو بخاری نے)



## دوبائیں

السلام علیکم... چند دن پہلے اخبار میں ایک خبر پڑھ کر میں چونک اٹھا۔ خبر اوصاف اخبار میں تھی اور اس کی سرخی یہ تھی۔

”قادیانیوں کے بہشتی مقبرے میں اڑدہا نکل آیا“

میں نے جلدی جلدی خبر پڑھی... خبر واقعی دل خوش کن تھی... حیرت انگیز تھی اور عبرت آموز تھی... یہ مرزائیوں کے لیے عبرت پکڑنے کا سنہری موقع ہے... خدا کے لیے وہ اس موقع کو نہ گنوائیں... سنیں...

چناب نگر... جسے مرزائی ربوہ کہتے ہیں... کے سامنے، سڑک پار کر کے ان کا قبرستان ہے... یہ قبرستان بھی دو حصوں میں تقسیم ہے... اس کے ایک حصے کو بہشتی مقبرہ کا نام دیا گیا ہے... اس میں مرزائیوں کے بڑے دفن کیے جاتے ہیں... یہاں مرزا غلام قادیانی کے بیٹے بشیر الدین محمود کو بھی دفن کیا گیا تھا... دوسرے بڑے بھی یہیں دفن کیے جاتے ہیں...

بقول ان کے... مرزائی نہیں تھا... گویا ایک نبی کی اولاد اس

قبرستان میں دفن ہے... اور نکل آیا وہاں ایک اڑدہا... اڑدہا بھی کیسا... خبر کے الفاظ پہلے پڑھ لیں۔

”قادیانیوں کے بہشتی مقبرے میں اچانک ایک سیاہ رنگ کا بوا اڑدہا چوکیدار کو نظر آیا... اس کے اور بان خطا ہو گئے... وہ مرزائیوں کو بلانے دوڑا... مرزائی ڈنڈے و غیرہ لے کر بہشتی مقبرے میں داخل ہوئے اور اڑدہے کو مارنے کی کوشش شروع کی... لیکن وہ قبروں میں کہیں غائب ہو گیا... ان کے ہاتھ نہ لگ سکا۔“

اور میں کہتا ہوں... یہ مرزائیوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے، عقل کے ناخن لینے کا موقع ہے... وہ ہوش کریں... کس گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں... اگر یہ بہشتی قبرہ ہوتا تو اس میں سیاہ رنگ کے اڑدہا کا کیا کام... اڑدہے قبروں میں مردوں کو عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ مقرر فرماتے ہیں۔ احادیث میں آتا ہے... گناہ گاروں کو اڑدہے مارتے ہیں تو وہ ستر ہاتھ زمین میں دھنسن جاتے ہیں... پھر اوپر آتا ہے تو اڑدہا پھر مارتا ہے... اور کہتا ہے میرے کے ساتھ قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا اور قیامت کے بعد بھی۔

لیکن جنت میں کسی اڑدہے کا تصور بھی ممکن نہیں... آج تک نہیں سنا گیا کہ جنت البقیع میں کوئی اڑدہا نکل آیا ہو... جنت کے تذکروں میں بھی پھلوں... پھولوں... باغات، میوہ جات، حوروں،

غلامتوں... سبزہ زاروں، چچھاتے پرندوں کے ذکر ملتے ہیں... لیکن کسی حدیث میں نہیں کہ جنت میں سانپ یا اژدہا بھی ہیں... ہاں یہ جہنم کا زیور ضرور ہیں...

جب کہ جہنم کو ضرور ایسی چیزوں سے سجایا گیا ہے... تو اسی جہنم کا یہ اژدہا اللہ تعالیٰ نے مرزائیوں کی قبروں پر مسلط کر دیا ہے... بلکہ کر رکھے ہیں اور نہ جانے ایک ایک قبر پر کتنے مقرر ہوں گے۔ ایک تو اتفاقاً نظر آیا... شاید اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں... اس کے مدے اس کے دین کے تابع ہو جائیں... اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں...

لہذا یہ مرزائیوں کے لیے ایک وارننگ ہے... کہ خود کو اس اژدہا سے چالو... حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مان لو... مرزا پر لعنت بھیج کر اسلام کے سایہ عاطفت میں آجاؤ... ورنہ پھر تم ہو گے اور یہ اژدہا ہو گا... ایسے لن گنت اژدہے ہوں گے۔

اشتیاق احمد

## چائے میں بال

”وہ تین دن سے اس کا انتظار کر رہی ہے... اس کا انتظار ختم نہیں ہو گا جناب... وہ بھی مر جائے گی... کچھ کریں...“  
فون پر کسی نامعلوم آدمی کے یہ الفاظ انسپکٹر جمشید کے لیے بھی عجیب بھی تھے اور پر اسرار بھی۔

”آپ کون بات کر رہے ہیں، پہلے تو یہ بتائیں۔“  
”افسوس! میں اپنا نام نہیں بتا سکتا... وہ مجھے بھی مار ڈالے گا۔“

”کون... آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔“  
”جس نے جھنڈے خاں کو ہلاک کیا ہے... ایک بالکل معمولی بات پر... وہ جو چائے اس کے لیے بنا کر لایا، اس میں ایک بال گر گیا تھا... جھنڈے خاں نے وہ بال نہیں دیکھا... بس اتنی سی بات پر اس نے سب کے سامنے اسے گولی مار دی۔“  
”آپ کی ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آئی... آپ نے بات کسی عورت سے شروع کی تھی۔“  
”میں جھنڈے خاں کی بیوی کی بات کر رہا تھا...“



”اوہ...“ وہ دھک سے رہ گئے... کیونکہ ایک دم اس کی تمام باتیں ان کی سمجھ میں آگئی تھیں۔

”وہ کون ہے... جس نے جھنڈے خاں کو قتل کیا ہے۔“  
”سر توڑے شاہ۔“

”سر توڑے شاہ... کیا کہہ رہے ہو بھی... وہ تو سنا ہے... بہت بڑے پیر ہیں... لاکھوں آدمی ان کے مرید ہیں۔“

”جی ہاں! میں انہی کی بات کر رہا ہوں... میں بھی ان کی حویلی میں ملازم ہوں... اور جھنڈے خاں کے پردوس میں رہتا ہوں... اس کی وہی تین دن سے بار بار مجھ سے پوچھ رہی... جھنڈے خاں کہاں ہے... وہ گھر کیوں نہیں آیا۔“

”اب بات سمجھ میں آگئی... لیکن اس بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا... جب تک آپ خود عدالت میں بیان نہ دیں اور آنکھوں دیکھا حال بیان نہ کریں۔“

”میں... وہ... وہ مجھے مار ڈالیں گے... پیر صاحب کے

جلاد۔“

”تو انہوں نے جلاد بھی رکھے ہوئے ہیں۔“

”جی ہاں! وہ جلاد بہت ظالم قسم کے قاتل ہیں... انسان کو اس طرح مار دیتے ہیں... جیسے کوئی حیوانی کو مسل دے۔“

”تب پھر جھنڈے خاں کو پیر صاحب نے خود کیوں ہلاک

کیا؟“

”یہ بالکل اچانک ہوا... جو نہی انہیں چائے میں بال نظر آیا... وہ چلائے... یہ کیا چائے میں بال... اتنی لاپرواہی... یہ لو پھر انعام اس لاپرواہی کا۔“ یہ کہتے ہی انہوں نے پیسٹول نکالا اور جھنڈے خاں پر گولی چلا دی... گولی اس کے سینے میں لگی... وہ چکر اکر گر اور وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔“

”یہ ایک الزام بھی ہو سکتا ہے...“

”آپ کا مطلب ہے... میں جھوٹ بول رہا ہوں۔“

”نہیں... عدالت میں ان کا وکیل یہ سوال اٹھائے گا...“

کہ یہی گواہ کہاں ہے... اسے عدالت میں پیش کیا جائے۔“

”قت... تو کیا آپ میری حفاظت کی ذمہ داری لیتے

ہیں۔“

”آپ اس وقت کہاں ہیں...“

”فون بوتھ نمبر 112... سلطان کالونی۔“

”یہ تو خود پیر صاحب کی کالونی میں ہے۔“

”جی ہاں! میں یہیں سے فون کر رہا ہوں۔“

”تب آپ نے غلطی کی... آپ کو کسی نے دیکھا تو نہیں۔“

”نہیں... میں نے پوری احتیاط کی ہے۔“

”آپ کا نام۔“

”اسلام۔“ اس نے فوراً کہا۔

”ٹھیک ہے... آپ وہیں ٹھہریں... میں آ رہا ہوں۔“

”آپ کا مطلب ہے... فون ہو تھ میں ٹھہروں۔“  
 ”نہیں... کہیں آس پاس چھپ جائیں... آپ کی زندگی کو  
 خطرہ ہو سکتا ہے... جونہی میں جیب لے کر اس یو تھ کے پاس پہنچوں  
 آپ چاروں طرف دیکھ بھال کر میری طرف آجائیں۔“  
 ”کگ... کیا میں واقعی خطرے میں ہوں۔“  
 ”ہاں بالکل۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”اچھا ایک کام اور کرتے ہیں... آپ فون ہو تھ میں ہی  
 رہیں... اور فون پر براہ بات کرتے رہیں... فون بند کر کے میری  
 موبائل نمبر ڈائل کریں۔“

”جی... جی اچھا...“

انہوں نے اپنے نمبر اسے بتا دیے، ساتھ ہی وہ جیب میں  
 نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت وہ دفتر میں تھے... اکرام کو انہوں نے  
 ساتھ لے لیا۔

”اکرام... جیب تم چلاؤ گے... انتہائی رفتار سے... سلطان  
 کالونی چلنا ہے۔“

”جی... کگ... کیا فرمایا... سلطان کالونی۔“ اکرام زور سے

چونکا۔

”کیوں... کیا ہوا۔“

”پیر سر توڑے شاہ بہت خطرناک آدمی ہے سر... اس سے

دور ہی رہیں۔“

”بات بہت خطرناک معلوم ہوئی ہے... اس نے  
 موبائل نمبر ڈائل غیر نہیں کیے اب تک۔“ وہ چونکے۔

”بات کیا ہے سر۔“ اکرام پریشان ہو گیا۔

انہوں نے جلدی جلدی بات بتائی... پوری بات سن کر  
 اکرام نے کہا:

”تب تو وہ مارا گیا غریب۔“

”کیا مطلب... یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔“

”پیر صاحب کے محل میں... جدید ترین آلات نصب  
 ہیں... وڈیو کیمرے تک نصب ہیں... وہاں کوئی کچھ بھی کرے... پیر  
 صاحب کو خبر ہوتی ہے... پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسلام پیر صاحب  
 کے خلاف فون پر کوئی بات کرنے نکل جائے اور پیر صاحب کو خبر نہ  
 ہو۔“

”لیکن بھی... اس نے باہر نکل کر پبلک فون ہو تھ سے فون  
 کیا ہے... اتنی عقل بہر حال اسے بھی ہے۔“

”اوہ... تب شاید وہ بچ جائے... لیکن ہمیں اور تیز چلنا  
 ہوگا۔“

اور پھر انہوں نے جیب اور رفتار پر چھوڑ دی... جلدی ہی  
 وہ سلطان کالونی میں داخل ہو رہے تھے... اور پھر ان کی جیب فون  
 ہو تھ کے پاس رک گئی... دونوں فوراً نیچے اتر آئے اور لگے چاروں



طرف دیکھنے... وہ دوپہر کا وقت تھا اور وہ بھی شدید گرمی کے موسم کی... ایسے میں چلچلاتی دھوپ مزاج پوچھ رہی تھی... لہذا وہاں کون ہوتا... دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔

”یا تو وہ موت کے خوف سے یہاں سے بھاگ جا چکا ہے... یا پھر پیر صاحب کے آدمی اسے پکڑ کر لے گئے ہیں۔“ اکرام بڑبڑایا۔  
”پہلے ایک منٹ انتظار کر لیتے ہیں۔“ وہ بڑبڑائے۔  
ایک منٹ گزر گیا... کوئی ان کی طرف نہ آیا۔

”ویسے اس نے فون کرنے کا وقت اچھا چنا تھا... اس وقت قریب قریب سب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔“ اکرام نے مسکرا کر کہا۔

”وہ آگیا۔“ انیسکڑ جمید بولے۔

انہوں نے ملازم ٹائپ ایک آدمی کو جیپ کی طرف آتے دیکھا... یہ محل آبادی سے کافی دور تھا... کسی زمانے میں ایک بہت بڑی حویلی تھی... کسی جاگیر دار کی تھی... اس سے پیر صاحب نے خرید لی... اور پھر اس کو انہوں نے محل کی شکل دے دی تھی... اب لوگ اس کو حویلی بھی کہتے تھے اور محل بھی... اسلام نے نزدیک آکر خوف زدہ انداز میں کہا۔

”مم... میں بال بال چا... اگر میں فون ہو تو میں ہی کھڑا رہتا تو مارا کیا تھا۔“  
”وہ کیسے؟“

”آپ کے موبائل نمبر ڈائل کرنے ہی لگا تھا کہ محل کی طرف سے جلاؤں کو آتے دیکھا... بس فوراً نیچے بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے فون ہو تو محل سے نکل کر سرک گیا... جب وہ ہاتھ کی طرف آئے تو میں اس وقت تک ایک درخت کی اوٹ لے چکا تھا... وہ ادھر ادھر دیکھ کر واپس چلے گئے... اس لیے میں فوراً آپ کی طرف نہیں آیا تھا۔“

”تب آپ نے ٹھیک کیا... اب آپ مزید دیر نہ لگائیں... فوراً جیپ میں بیٹھ جائیں۔“

وہ جیپ میں بیٹھ گیا... اکرام جیپ کو اڑا لے چلا...  
”مجھے اس بات پر حیرت ہے سر... کہ ان لوگوں نے اسے آس پاس تلاش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔“  
”ہاں الجھن میں بھی محسوس کر رہا ہوں... خیر... پہلے ہم تصدیق کر لیتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ اسلام کی طرف مڑے۔  
”پیر نے لاش کا کیا کیا تھا۔“

”اس کے گرتے ہی جلاؤ اسے تھپیٹ لے گئے... مجھے نہیں معلوم... وہ کہاں لے گئے اسے۔“

”اچھی بات ہے... اپنے گھر کا پتا نہیں۔“  
”پپ پتا... اوہ اچھا... مغل آبادی میں ہے میرا گھر۔“  
اکرام نے جیپ کا رخ مغل آبادی کی طرف کر دیا... جلد ہی وہ اس کے گھر کے سامنے اترے۔

”چلو بھی... جھنڈے خاں کے گھر کی طرف۔“

”اوہ اچھا۔“

وہ ان کے ساتھ چلا... ایک موڑ مڑا ہی تھا کہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹا اور فوراً ان دونوں کی اوٹ لے لی۔

”کیا میں دوڑ لگا دوں...“ اس نے خوف کے عالم میں ہے۔

”کیوں کیا ہوا؟“

”جلاؤر ہے ہیں... غالباً وہ میرے گھر کی طرف آئے ہیں۔“

”تم کھل طور پر اوٹ میں ہو جاؤ...“

”ج... جی اچھا۔“ اس نے کانپ کر کہا۔

”گھبراہٹ کی ضرورت نہیں... وہ ہماری موجودگی میں تم پر حملہ نہیں کریں گے۔“

”اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو فائر کیے بغیر رہیں گے بھی نہیں۔“

”اگر انہوں نے یہ حماقت کی... تو وہ اس کا مزہ بھی چکھ لیں گے... آپ فکر نہ کریں۔“

وہ ان کی اوٹ میں ہو گیا... چھ کے قریب جھنڈے ان کے پاس سے گزر گئے... ان کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنا رخ تبدیل کرتے چلے گئے... یہاں تک وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے...

”تو یہ آپ کی تلاش میں ہیں۔“

”خیال تو یہی ہے...“ اس نے کہا۔

”ہمیں جھنڈے خاں کے گھر تک لے چلیں۔“

”اگر یہ لوگ میری تلاش میں وہاں تک پہنچ گئے۔“

”دیکھا جائے گا... آپ چلیں۔“

وہ انہیں جھنڈے خاں کے دروازے تک لے آیا... دستک دی گئی... جلد ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت نظر آئی...

رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ تھیں... اسلام کو دیکھ کر وہ چیخ کر بولی:

”اسلام بھائی... کچھ پتا چلا... آخر جھنڈے خاں کہاں چلا گیا۔“

”جھنڈے خاں اب اس دنیا میں نہیں ہے۔“ انسپکٹر جمشید بول پڑے...

”کیونکہ اب اس خبر کو چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔“

”تک... کیا... کیا مطلب...“

”ہاں بہن... انہیں سر توڑے شاہ نے قتل کر دیا... آج سے تین دن پہلے... میں آپ کو بتانے کی ہمت نہ کر سکا۔“

”نہیں... نہیں۔“ وہ چلا اٹھی۔

پھر اس کے رونے کی آوازیں وہ سنتے رہے... اچانک اس نے کہا:

”لل... لیکن ان کی لاش کہاں ہے؟“

”لاش اس نے کہیں چھپا دی ہے... میں نے ان سے درخواست کی ہے... اب یہ لاش کو بھی تلاش کرائیں گے اور قاتل



اسی وقت غنڈے اس کی طرف دوڑ پڑے۔

”خبردار... رک جاؤ... ورنہ اڑا کر رکھ دوں گا۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا... انہوں نے ایک ہوائی فائر بھی کر دیا۔

فائر کی آواز سن کر وہ ایک جھٹکے سے رک گئے...

”کیا مطلب... کون ہو تم... جو ہمارے راستے میں آنے کی جرأت کر رہے ہو۔“ چھوٹے سر توڑے شاہ نے حیران ہو کر کہا۔  
”خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔“

”تب پھر پہلے انسپکٹر جمشید کا کام تمام کیا جائے... عدالتی کارروائی میرے ذمے۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

تمام غنڈوں کا رخ ان کی طرف ہو گیا... وہ بے خوفی کے عالم میں ان کی طرف بڑھے...

”رک جاؤ... ورنہ گولی چلا دوں گا۔“

”چلا دو میرے بادشاہ... یہ تو اب نہیں رکھیں گے۔“ چھوٹے سر توڑے شاہ نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”ان کا پیر انہیں حکم دے اور یہ حکم نہ مانیں... ہو نہیں سکتا۔“

”لیکن آپ پیر تو نہیں... پیر کے چھوٹے بھائی ہیں۔“

”ان کے لیے میں بھی پیر ہوں۔“

”اچھی بات ہے... اپنے مریدوں کی لاشیں اٹھانے کے

کو گرفتار بھی کیا جائے گا۔“

”یہ... یہ پیر توڑے شاہ کو گرفتار کریں گے... ناممکن۔“ وہ چلائی۔

”آپ فکر نہ کریں... یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔“

”کیا... نہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں... کوئی پریشانی ہو تو ہمیں بتائیں... کوئی مسئلہ ہو... ہمیں بتائیں... آئیے اسلام صاحب چلیں۔“

وہ وہاں سے مڑے ہی تھے کہ اسلام کو ایک زبردست جھٹکا لگا... عین اس وقت ایک بڑی گاڑی وہاں آکر رکی تھی اور اس سے ایک عجیب و غریب سا آدمی اتر اٹھا... اس کے ساتھ ہی پندرہ کے قریب مسلح آدمی اترے تھے:

”پکڑ لو... اس غبیٹ کو۔“ عجیب و غریب آدمی نے بلند آواز میں کہا۔

”نن نہیں... نہیں۔“ اسلام نے چیخ کر کہا۔

”یہ کون ہے؟“ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

”چھوٹے سر توڑے شاہ۔“ اسلام نے فوراً کہا۔

”چھوٹے سر توڑے شاہ... کیا مطلب؟“

”سر توڑے شاہ کے چھوٹے بھائی۔“

”اوہ اچھا۔“

لیے تیار ہو جاؤ پھر۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ان میں سے ایک کی ٹانگوں پر فائر کر دیا۔ اس کے منہ سے بلند چیخ نکلی۔ اور وہ زمین پر گر کر ترپنے لگا، یہ دیکھ کر دوسرے فٹکے۔

”خبردار... رو کو نہیں... ورنہ پھر پیر صاحب کا جلال تمہیں جلا کر راکھ کر دے گا۔“

وہ شور مچاتے پھر آگے بڑھے۔ انہوں نے پھر فائر کیا۔ ایک اور گرا۔ ان سب کے پاس صرف ڈنڈے تھے... پستول نہیں تھے۔ ورنہ وہ اب تک فائرنگ کر چکے تھے۔

”ہٹ جاؤ... نالائقو... ایک طرف... اب میں اسے دیکھوں گا۔“ وہ گر جا۔

ڈنڈے کاٹی کی طرح پھٹ گئے۔ انہوں نے چھوٹے کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پستول دیکھا۔ ساتھ ہی اس نے فائر جھونک مارا۔ انہوں نے جھکا دی اور ایک فائر اس کی طرف بھی کر دیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور خون کا فوارہ اس کے ہاتھ سے ابل پڑا۔ وہ ہاتھ کو پکڑ کر ٹٹھکتا چلا گیا۔

”خبردار... ہاتھ اوپر اٹھاؤ... ورنہ۔“ وہ سرد آواز میں بولے۔

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس وقت تک اکرام اپنے ماتحتوں کو فون کر چکا تھا۔ جلد ہی وہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

”گر فائر کر لو... ان سب کو۔“

”موت کے منہ میں ہاتھ ڈال دیا ہے میرے بادشاہ۔“

چھوٹا زہریلی ہنسی ہنسا۔

”یہ تو اپنا شوق ہے... انہیں دفتر لے چلو بھی۔“ وہ بولے۔

جو نئی وہ دفتر پہنچے... آئی جی صاحب کا پیغام انہیں ملا۔ وہ

انہیں بتا رہے تھے... وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئے اور بہت زور سے اچٹلے۔

☆...☆...☆



## ہم مجبور ہیں

آئی جی صاحب کے کمرے میں وزیر اعلیٰ بیٹھے نظر آئے...  
انہیں دیکھتے ہی وہ بولے:

”یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں انسپکٹر جمشید۔“  
”میں سمجھا نہیں سر۔“

”میں بتاتا ہوں جمشید... کیا تم نے سر توڑے شاہ کے  
چھوٹے بھائی اور ان کے کچھ مریدوں کو گرفتار کیا ہے۔“

”اوہ آئی جی ہاں ایہ تو ہے۔“  
”لیکن کیوں۔“ وزیر اعلیٰ پر زور انداز میں ہاتھ مار کر بولے۔  
”تفصیل سنا دیتا ہوں سر... پھر آپ خود فیصلہ فرمائیے گا کہ  
میں کیا کرتا۔“

”تفصیل نہیں... آپ ان کی رہائی کی بات کریں۔“ وزیر اعلیٰ  
بولے۔

”سر! انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔“  
”کس پر؟“ وزیر اعلیٰ فوراً بولے۔  
”مجھ پر... میرے ماتحت اکرام پر... اور ایک شخص اسلام

پر۔“

”غلط... بالکل غلط... یہ سفید جھوٹ ہے۔“ وزیر اعلیٰ چلائے۔  
”کک... کیا کنا سر آپ نے... یہ بات تو خیر نہیں مانی  
جاسکتی۔“ آئی جی صاحب نے فوراً کہا۔

”کون سی بات؟“ وزیر اعلیٰ نے چونک کر ان کی طرف  
دیکھا۔

”انسپکٹر جمشید جھوٹ نہیں بولتے۔“  
”آپ خوش فہمی میں چلا ہیں۔“ وہ غرائے۔  
”نہیں سر... اس بات کو سب لوگ جانتے ہیں... مانتے  
ہیں۔“

”ان سب لوگوں میں میں شامل نہیں۔“ وہ بھانک کر بولے۔  
”اس لیے سر کہ آپ بولے ہیں۔“  
”نیا ہوں یا پرانا... آپ فوراً ان کی رہائی کی ہدایت دیں۔“  
”آپ پہلے بات سن لیں۔“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔  
”میں جھوٹ سننے کا عادی نہیں۔“

”تب پھر سچ کیا ہے؟“ انسپکٹر جمشید نے ناگوار انداز میں کہا۔  
”پھر توڑے شاہ کے چھوٹے بھائی... اپنے چند مریدوں  
کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے انہیں روکنے کی  
کوشش کی... وہ نہر کے... تو آپ نے ان پر قاتلنگ کر دی۔“  
”تو یہ کہانی سنائی آپ کو سر توڑے شاہ کے بھائی نے۔“

”یہ کمافی نہیں... حقیقت ہے۔“

”جب کہ میرا بیان ہے، یہ ایک جھوٹی کہانی ہے۔“

”کہانی جھوٹ ہے یا سچ... آپ کو ان کی یہی کہانی ماننا ہے...“

اور انہیں باعزت رہا کرنا ہے۔ ”وزیر اعلیٰ ہو۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے سر... ان لوگوں نے باقاعدہ ہمیں قتل

کرنے کی کوشش کی ہے... ساتھ ہی ایک غریب آدمی اسلام کو بھی،

اور اسلام کا بیان ہے... کہ سر توڑے شاہ نے اس کی آنکھوں کے

سامنے ایک دوسرے ملازم جھنڈے خاں کو قتل کیا ہے... وہ بھی

ایک بہت معمولی بات پر... جو چائے بنا کر لایا تھا، اس میں کوئی بال

موجود تھا، بال کو دیکھ کر وہ آگ بجو لاہو گیا... اور اسے گولی مار دی...“

پھر اس کی لاش کو ناقب کر دیا گیا... یہ واقعہ اب سے تین دن پہلے کا

ہے۔“

”یہ کس کا بیان ہے... اسلام نامی شخص کا۔“

”جی ہاں۔“

”تب پھر آپ اس بیان کی بنیاد پر مقدمہ درج کرتے...“

آپ نے انہیں روک کر فائرنگ کیوں کی۔“

”پھر وہی بات سر... میں متاچکا ہوں... ہم نے نہیں، راستہ

انہوں نے روکا اور فائرنگ بھی انہوں نے کی... ہم نے تو صرف اپنا

چاؤ کیا ہے۔“

”لیکن آپ کے پاس اس بات کا ثبوت کوئی نہیں... میں نے

تو سنا ہے، آپ بہت ذہین آدمی ہیں اور قانون کو سمجھتے ہیں... عدالت

میں ثبوت چلتا ہے... نہ کہ زبانی باتیں۔“

”تب پھر ثبوت ہم عدالت میں پیش کریں گے۔“

”تو اس وقت تک کے لیے انہیں رہا کر دیں... جب

عدالت انہیں سزا سنائے گی... تو آپ انہیں جیل بھیجوا دیجئے گا۔“

”اور یہ جو انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا ہے... ہاں یہ حملہ نہ

کیا ہوتا تو ضرور یہ معاملہ عدالتی کارروائی کے ذریعے ہی طے کیا جاتا،

یہ ان کی غلطی ہے۔“

”اور میں کہتا ہوں، آپ کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت

نہیں۔“

”میں کل انہیں عدالت میں پیش کروں گا... وہاں ثبوت

بھی پیش کیا جائے گا۔“ وہ مسکرائے۔

”تو کل تک آپ انہیں میری ضمانت پر رہا کر دیں۔“ وزیر

اعلیٰ نے فوراً کہا۔

انسپکٹر جمشید نے بے بسی کے عالم میں آئی جی صاحب کی

طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں۔

”تب میں کیا کہوں سر۔“

”بھئی جب وہ اپنی ضمانت پر چھڑا رہے ہیں... تو ہمیں کیا

اعتراض...“

”سوال یہ ہے سر کہ کیا یہ کیس قابل ضمانت ہے؟“



”لو وہاں اس کا فیصلہ ہم نہیں... جج صاحب کریں گے۔“  
 آئی جی صاحب نے فوراً کہا۔  
 ”آپ... آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔“  
 ”سرا میں انسپکٹر جمشید کو جانتا ہوں... بلا وجہ یہ کسی بات پر  
 نہیں اڑتے۔“

”آپ کا مطلب ہے... میں بلا وجہ بات پر اڑ رہا ہوں۔“  
 وزیر اعلیٰ نے منہ بتایا۔  
 ”میں نے یہ نہیں کہا سر... یہ بتایا ہے کہ انسپکٹر جمشید نے  
 انہیں گرفتار کیا ہے تو بلا وجہ نہیں کیا۔“ انہوں نے جلدی سے کہا۔  
 ”شیخ صاحب! میں آپ کے پاس اس لیے نہیں آیا تھا کہ  
 باتیں سنوں... میں آپ کو اپنے دفتر میں بلا کر آپ کو حکم بھی دے سکتا  
 تھا... لہذا میں اب پھر کہہ رہا ہوں... آپ انہیں حوالات میں نہ  
 رکھیں... ہاں عدالت کی طرف سے ان کی ضمانت نہ ہو تو ضرور  
 انہیں جیل بھیج دیں... آخر اس میں کیا حرج ہے۔“  
 آئی جی صاحب نے بے بسی کے عالم میں انسپکٹر جمشید کی  
 طرف دیکھا:

”ٹھیک ہے سر... لیکن انہیں عدالت میں بھیجنا آپ کی ذمہ  
 داری ہوگی۔“  
 ”بالکل... حاضر ہوں گے وہ... کہیے تو تحریر لکھ دیں۔“  
 ”میں یہی چاہتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا مطلب؟“ وہ زور سے بولے۔  
 ”آپ لکھ دیں۔“  
 ”ضرور... کیوں نہیں... لائے کاغذ۔“  
 انہوں نے کاغذ پر چند لائنیں لکھیں اور ان کی طرف سر کا  
 دیا...

”او کے سر... میں انہیں چھوڑ رہا ہوں... کل تک کے  
 لیے... لیکن وہ جج نہیں سکیں گے۔“ انہوں نے سرد آواز میں کہا۔  
 ”ہمیں عدالت کا فیصلہ منظور ہوگا۔“ وزیر اعلیٰ مسکرائے۔  
 اور پھر وہ وہاں سے نکل آئے... دوسرے دن عدالت میں  
 وہ سب حاضر تھے۔ انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے تو انہوں نے طنز یہ  
 انداز میں ان کی طرف دیکھا... پھر عدالتی کارروائی شروع ہوئی...  
 جج صاحب نے ساری بات سنی... آخر بولے:  
 ”یہ دو طرف کے بیان ہیں... آپ کے پاس ان باتوں کا  
 کوئی ثبوت ہے؟“ انہوں نے یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید کی طرف  
 دیکھا۔

”جی ہاں... بالکل... ہے۔“  
 ”پیش کریں پھر۔“  
 انہوں نے اپنی گھڑی والا ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا... سب  
 لوگ ان آوازوں کو غور سے سنتے رہے... آخر ٹیپ ختم ہو گئی۔  
 ”اب آپ کیا کہتے ہیں۔“ جج صاحب نے چھوٹے

سر توڑے شاہ کے وکیل کی طرف دیکھا۔

”یہ آوازیں جھلی ہیں..... میرے پاس مضبوط شہادت ہے۔“ وکیل نے طنز یہ کہا۔  
”پیش کریں۔“

”چھوٹے سر توڑے شاہ اور ان کے ساتھیوں کو وزیر اعلیٰ صاحب نے کل صبح گیارہ بجے اپنے دفتر بلوایا تھا... یہ تمام وقت وہاں رہے... یہ وہاں سے رات گیارہ بجے لوٹ رہے تھے... انسپکٹر جمشید گشت پر تھے... انہوں نے انہیں آوارہ گردی کے تحت گرفتار کر لیا۔ بس بات صرف اتنی سی ہے سر۔“

”آپ نے کیا کہا... یہ وہاں موجود رہے ہیں... وزیر اعلیٰ صاحب کے پاس۔“ جج صاحب نے چونک کر کہا۔

”ہاں جناب... لہذا جس وقت کا واقعہ انسپکٹر جمشید بیان کرتے ہیں... اس وقت تو یہ لوگ وہاں موجود ہی نہیں تھے۔“  
”لیکن آپ نے وزیر اعلیٰ صاحب کا بیان عدالت میں پیش نہیں کیا۔“

”میں لے کر آیا ہوں سر... یہ رہا ان کا تحریری بیان۔“  
اب انہوں نے میان پڑھا... ان کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی...

”اب آپ کیا کہتے ہیں انسپکٹر جمشید صاحب۔“  
”یہ بیان بالکل غلط ہے... وزیر اعلیٰ تو خود کل شام آئی تھی

صاحب کے دفتر میں موجود رہے ہیں اور وہ ان لوگوں کی حفاظت کے سلسلے میں وہاں آئے تھے... اس بات کے گواہ آئی جی صاحب ہیں اور میرا یہ ٹیپ ریکارڈر بھی گواہ ہے۔“

”پہلے تو پھر وزیر اعلیٰ صاحب سے پوچھنا ہوگا۔“  
”انہیں بلانا ہوگا سر... یہ معلوم نہیں تھا کہ معاملہ اس کروٹ بیٹھے گا۔“

”آدھ گھنٹے تک اردوائی ردک دیتے ہیں... آپ انہیں بلا لیں۔“

”نہیں سر۔“  
وہ باہر نکل آئے... ان کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے...

”آپ پریشان ہیں؟“ اگر ام نے کہا۔  
”ہاں اس لیے کہ معاملہ گریو گناہ ہے۔“  
”وہ کیسے سر؟“

”اگر آئی جی صاحب نے اگر ان کے حق میں بیان دے دیا تو؟“

”لیکن سر... وہ بھلا ایسا کیوں کرنے لگے۔“  
”معاملے میں خود وزیر اعلیٰ شامل ہیں...“  
”لیکن اب انہیں بلانا تو ہوگا۔“

”ہاں! کیوں نہیں۔“  
اور پھر انہوں نے موبائل کے ذریعے انہیں اطلاع دی...



وہ عدالت میں آگئے۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا  
جا رہا تھا۔

”خیر تو ہے سر۔“

”مجھے ان کے مطلب کا بیان دینا ہو گا جشید۔“

”جی... کیا مطلب؟“ وہ اٹھل پڑے۔

”ہاں جشید... ہم... ہم مجبور ہیں۔“

”آخر ایسی کیا مجبوری ہے... یہ بھی تو بتائیں سر۔“

عین اس وقت عدالت کی طرف سے انہیں آواز دی گئی...

وہ چونک اٹھے۔

”میں بعد میں وضاحت کروں گا جشید۔“

یہ کہہ کر وہ عدالت کی طرف بڑھ گئے... اس وقت انہوں

نے اپنے جسوں میں سنسنی کی لہریں دوڑتی محسوس کیں۔

☆☆☆

نہیں جشید

عدالتی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی... آئی جی صاحب کا  
میان سنا گیا... انہوں نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ وزیر اعلیٰ  
ان کے دفتر آئے تھے اور وہاں انسپکٹر جشید کو بھی بلایا گیا تھا... اس  
طرح سارا کیس یک دم پلٹ گیا اور جج صاحب نے سر توڑے شاہ  
کے چھوٹے بھائی اور اس کے ساتھیوں کو باعزت بری کر دیا... اب  
سب لوگ انسپکٹر جشید کو بری طرح گھور رہے تھے اور دفنی آوازوں  
میں ان پر فقرے کس رہے تھے... وہ سر جھکائے باہر نکل آئے... آئی  
جی صاحب ان کے ساتھ تھے... آخر دفتر میں داخل ہوئے:

”میں کچھ نہیں بتا سکتا جشید۔“

”جی... کیا مطلب...“

”تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں نے عدالت میں جھوٹا بیان

کیوں دیا... تو میں اس کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔“

”کوئی بات نہیں سر... لیکن ہم اپنی حیرت کا کیا کریں۔“

”کسی طاق میں رکھ کر بھول جاؤ اس کو... اور اب جاؤ...“

آرام کرو... اس کیس نے تمہارے دل و دماغ کو بری طرح متاثر کیا

ہے... لہذا میں تمہیں تین دن کی چھٹی دیتا ہوں۔

”مجھے چھٹی نہیں چاہیے سر۔“

”خیر... اس وقت تو تم کمر جاؤ نا۔“

”بہت بہتر سر... میں جا رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکل آئے... باہر اکرام کھڑا تھا۔

”کیا بتاؤ سر۔“

”وہ کچھ مٹانے کو تیار نہیں ہیں۔“

”خیرت ہے... کمال ہے۔“ اکرام کے منہ سے نکلا۔

”اور افسوس ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”اب... ہمارا کیا بنے گا۔“

”کچھ نہیں... ہم اسلام کی حفاظت کریں گے... اور جھنڈے

خاں کے قتل پر کام کریں گے۔“

”گویا آپ ابھی نہیں سمجھے۔“

”کیا نہیں سمجھے۔“

”بیر توڑے شاہ کے خلاف قدم اٹھانا شیر کے منہ میں ہاتھ

دینا ہے۔“

”ایسے کام تو پھر ہم کرتے رہتے ہیں۔“

”لیکن شہر میں بیر توڑے شاہ کے لاکھوں مرید ہیں... وہ

آئندہ ہونے والے الیکشنوں میں صورت حال یک دم پلٹ سکتے

ہیں۔“ اکرام نے کہا۔

”کک... کیا مطلب... یہ تم نے کیا کہا؟“

”اصل مسئلہ یہی ہے سر... ملک میں جلد انتخابات ہونے

والے ہیں... حکومت کو اپنے طرف داروں کی اس وقت شدید

ضرورت ہے... اور بیر توڑے شاہ اس وقت زبردست طرف دار بن

سکتے ہیں۔ وہ جس کا طرف دار ہو جائے گا... اس پارٹی کو لاکھوں ووٹ

گواہ مل جائیں گے... یہ ہے بیر توڑے شاہ کی طاقت کا راز۔“

”اوہ اوہ... اسی لیے میں کہتا ہوں... یہ جمہوریت غیر اسلامی

جمہوریت ہے... اور ہم اس نظام کے لیے مرے جا رہے ہیں۔“

”جی ہاں اب فور کریں... فرض کیا... آپ بیر توڑے

شاہ کو جھنڈے خاں کا قاتل ثابت کر دیتے ہیں... لاش بھی آپ

تلاش کر لیتے ہیں... اگرچہ یہ اب ناممکن ہے...“

”کیا مطلب... یہ تم نے کیا کہا اکرام۔“

”اب آپ جھنڈے خاں کی لاش کو تلاش نہیں کر سکیں

گے سر۔“

”لیکن کیوں نہیں کر سکیں گے۔“

”میں نے سنا ہے... اس کے محل کے نیچے ایسے بڑے بڑے

تالاب بنائے گئے ہیں... جن میں نہ جانے کون کون سے کیمیکل

ڈالے گئے ہیں... جب اس کے جلاد کسی کو قتل کرتے ہیں تو اس کی

لاش کو تالاب میں ڈال دیتے ہیں... بس وہ آدمی ان میں حل ہو جاتا

ہے اور پھر تالاب کو خالی کر دیا جاتا ہے... اس میں تھے سرے سے



کیمیکل ڈال دیا جاتا ہے اگلی لاش کے لیے۔“  
 ”تن نہیں۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے ٹکڑے۔

”یہی بات ہے سر۔“  
 ”لیکن آج تک اس کے محل پر چھاپے کیوں نہیں مارا گیا۔“  
 ”چھاپے مارنے سے پہلے کیا وارنٹ کی ضرورت نہیں ہوتی سر؟“ اکرام ہنسا۔

”بالکل ہوتی ہے۔“  
 ”تو وارنٹ آپ کس سے جاری کرائیں گے۔“  
 ”لیکن مجھے وارنٹ جاری کرانے کی کیا ضرورت ہے... میرے پاس تو ریڈی میڈ وارنٹ ہیں۔“ وہ مسکرائے۔  
 ”اوہ ہاں... لیکن۔“

”اب یہ لیکن تم کہاں سے لے آئے؟“ انہوں نے منہ مٹایا۔  
 ”وہ اسی وقت وزیر اعلیٰ کو فون کرے گا اور آپ کو روک دیا جائے گا۔“

”ہوں... ٹھیک ہے... گویا ہمیں اس کیس کو کسی اور طرح لینا ہوگا۔“

”میں تو کہتا ہوں سر... آپ اس کیس کو بھول ہی جائیں۔“  
 ”یہ... یہ تم کہہ رہے ہو اکرام... تم سے تو ایسی امید نہیں

تھی۔“

”میں اپنے لیے نہیں سر... آپ کے لیے کہہ رہا ہوں...“

میں نہیں چاہتا، آپ ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔“  
 ”اور میں جھنڈے خاں کا کیا کروں اکرام۔“ وہ ولے۔  
 ”بھول جائیں۔“

”یہ نہیں ہوگا۔“ انہوں نے فوراً کہا۔  
 ”تب پھر... آپ کیا کریں گے۔“ اکرام پریشان ہو گیا۔  
 ”چتا نہیں... میں گھر جا رہا ہوں۔“  
 ”آپ جو کچھ بھی کریں... پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کریں۔“

”اچھی بات ہے اکرام...“ انہوں نے سر ہلادیا۔  
 گھر پہنچے تو بہت پریشان نظر آ رہے تھے... یہ دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزاد کے رنگ اڑ گئے۔  
 ”اتنا پریشان تو شاید ہم نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”تو اب دیکھ لو۔“ انہوں نے منہ مٹایا۔  
 ”گوایا آپ غصے میں بھی ہیں... تب تو آپ پہلے بیٹھ جائیں۔“  
 کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے... بیٹھا ہوا ہو تو لیٹ جائے۔“  
 ”اچھی بات ہے... یہ لو میں بیٹھ گیا۔“ وہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گئے۔

”یہ... یہ کیا... آپ تو یہیں بیٹھ گئے۔“

”گویا میں بیٹھنے کے لیے پہلے صحن تک جاتا... لیکن اس طرح آپ صحن کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر ہو جاتی۔“  
 ”اوہ ہاں! یہ بھی ہے... خیر... اگر آپ کا غصہ کم ہو گیا تو صحن تک چلیں... اہی جان نے آج ناشتے میں بہت مزے کی چیزیں تیار کی ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔  
 ”ناشتے میں... لیکن یہ ناشتے کا وقت کب ہے۔“

”شام کا ناشتا۔“  
 ”اوہ اچھا... خیر...“ وہ مسکرا دیے اور صحن میں آگئے۔

”ناشتے سے پہلے یہ بتا دیں... آپ پریشان کیوں ہیں۔“  
 ”اس طرح تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گے اور مزے دار چیزیں بھی تمہیں بے مزہ معلوم ہوں گی۔“

”ہوں... اچھا... چلیے پھر پہلے ناشتا ہو جائے۔“

انہوں نے ناشتا کیا... چیزیں واقعی بہت مزے کی ثابت ہوئیں... انہوں نے انگلیاں چاٹیں... پھر اٹھ کر ہاتھ دھوئے...  
 ”یہی ہے... ہمارے نبی کریم ﷺ کا طریقہ... کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور پھر ہاتھ دھوئے جائیں۔“ وہ مسکرائے۔

تینوں نے سر ہلا دیے... پھر فرزانہ نے کہا:  
 ”اب بتائیں... آپ کس لیے پریشان ہیں۔“  
 انہوں نے تفصیل سنائی...

”گویا کیس کا ایک حصہ تو آپ پار چکے ہیں... اب دوسرے پر کام کرنا ہے اور باقاعدہ وارنٹ دکھا کر آپ اس محل کی تلاشی نہیں لے سکیں گے۔“

”اگر ام کا خیال یہی ہے۔“

”لیکن ہمارا خیال اس کے الٹ ہے۔“ فرزانہ نے منہ منایا۔  
 ”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ وہ تلاشی لینے دیں یا نہ دیں... آپ کو پہلے ہی راستے سے کوشش کرنا چاہیے... جب ناکام ہو جائیں... پھر پورے استا تلاش کریں گے۔“

”جی... پورے راستا...“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیوں... تمہیں کیا ہوا؟“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”ہو سکتا ہو گا... تمہیں ہر وقت ناولوں کے نام ہی سو بیٹھتے رہتے ہیں۔“

”تمہارے خیال میں مجھے اور کیا سوچنا چاہیے۔“

”کام کی باتیں...“ محمود ہنسا۔

”تو یہ ہے تم سے... کیا ناول کے نام کام کی بات نہیں ہوتی۔“

”لیکن ہم میں سے کوئی مصنف نہیں ہے۔“



”کیا دیر لگتی ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”کیا مطلب... کس میں کیا دیر لگتی ہے۔“

”مصنف بننے میں... تم لوگوں کی اطلاع کے لیے عرض

کر دوں... میں آج کل ایک ناول لکھ رہا ہوں... جاسوسی ناول۔“

”کیا!!!“ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”ہاں! اس میں شک نہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”کس میں شک نہیں۔“ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں

کہا۔

”اس میں کہ میں ان دنوں ایک عدد جاسوسی ناول لکھ رہا

ہوں... جب مکمل ہو جائے گا، تب کسی پبلشر کو دوں گا۔“

”اس کا نام کیا رکھا ہے۔“

”ابھی نام نہیں رکھا... ویسے ہو سکتا ہے... چور راستا ہی رکھ

دوں... کیونکہ یہ نام اچھا ہے۔“

”یہ بیکار لوگوں کا کام ہے... اس کام سے باز آ جاؤ... ورنہ

اوھر کے رہو گے نہ اوھر کے۔“ فرزانہ نے گویا خبردار کیا۔

”مجھے اوھر اوھر کے رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“

فاروق نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید کو ہنسی آئی... پھر بولے:

”لکھ لینے دو بھی... جب پبلشر کو پسند نہیں آئے گا تو خود

منہ لٹکا لے گا۔“

”ٹھیک ہے لہذا جان... ہمیں کیا... مارنے دو بھی مغز۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔“ فاروق پیش سے والا۔

”کیا مطلب... کس کی ضرورت نہیں۔“

”مغز مارنے کی... اس کے بغیر بھی کام چل جائے گا۔“

”گویا تم لوگ کہتے ہو کہ ہمیں قانون کے مطابق محل کی

تلاشی لینا چاہیے۔“

”جی ہاں! بالکل۔“

”او کے... پھر ابھی چلتے ہیں... دیر کیوں لگائیں۔“

اب انہوں نے اکرام کو فون کیا۔

”بھی اکرام... ان کا مشورہ ہے کہ پہلے قانون کے دائرے

میں رہ کر محل کی تلاشی لی جائے۔“

”لیکن آپ لے نہیں سکیں گے۔“

”ان دنوں کا کہنا ہے کہ ہم ایسا کر سکیں گے۔“

”نہیں کر سکیں گے... انہیں پیر سر توڑے شاہ کے بارے

میں کچھ بھی معلوم نہیں... ارے۔“

”یہ ارے کس خوشی میں۔“

”میں اسلام کو تو بھول ہی گیا... وہ اس وقت کہاں ہے۔“

”حفاظت کے خیال سے میں نے اسے ایک خفیہ مقام پر

پنجا دیا ہے۔“

”نہیں اکرام... اسے خفیہ ٹھکانہ نمبر تین پر رکھا جائے۔“

”جو حکم۔“

”اپنے ماتحت محل کے گرد مقرر کر دو۔“

”ہم بہت بڑی مصیبت کو آواز دے رہے ہیں سر... اپنی

حفاظت کے تمام تر انتظامات کر کے روانہ ہوں۔“

”اچھی بات ہے... ہم انتظامات کر کے چلیں گے... میں

پروفیسر صاحب کو فون کر رہا ہوں۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... اور اپنی خفیہ فورس کو بھی حرکت

میں لے آئیں۔“

”ضرور... کیوں نہیں... میں وہاں پہنچ رہا ہوں... تم بھی

روانہ ہو جاؤ۔“

آدھ گھنٹے بعد وہ اپنی جیب سے محل کے سامنے اترے...

محل کے دروازے پر مسلح اور فوجیوں کے ہمراہ پہرے دار موجود تھے...

انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا... لیکن جب وہ پیدل

چلنے ان کے نزدیک پہنچ گئے... تب جھٹکے ہوئے انداز میں ایک

نے کہا:

”کیا ہے... کدھر منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو۔“

”محل کی تلاشی لی جائے گی۔“

”کیا کہا... یہ ہم نے کیا سنا... ایسی بات تو پہلے کبھی نہ

سنی۔“

”تو اب سن لو... دیکھ بھی لو... اور سمجھ لو۔“

نے طعنیہ انداز میں کہا۔

”جاؤ یہاں سے ہوا کھاؤ... یہاں تم لوگوں کی دال نہیں

کلے گی۔“

”کلی گلائی دال گھر سے لے آئے ہیں۔“ فاروق نے منہ

بتایا۔

انہیں ہنسی آئی...

”سنو مسٹر... ہمارے پاس وارنٹ ہیں۔“

”کلک... کیا... کیا کہا۔“ وہ حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

”ہاں! یہ اطلاع دو اپنے چیر کو۔“

”ادب سے نام لو۔“

”بھئی وہ تمہارے چیر ہیں... ہمارے نہیں۔“

”تب بھی یہاں ان کے لیے ادب سے کام لینا ہو گا۔“

”اندر جا کر بتائیں... پولیس آئی ہے... اس کے پاس تلاشی

کے وارنٹ ہے۔“

”ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں... ہمیں تو بس یہ حکم ہے کہ

کسی تلاشی لینے والے کو اندر جانے نہیں دیا جائے گا۔“

”چاہے تلاشی کا وارنٹ ہی کیوں نہ ہو اس کے پاس۔“

”وہ تو خیر ہو ہی نہیں سکتا۔“

”اکرام... وارنٹ انہیں دکھا دو... اس کے بعد بھی راستانہ

دھمکاؤں انہیں اڑا دیتا۔“



”گگ... کیا کہا سر... اڑا دیتا۔“

”ہاں ہی کہا ہے۔“

”یہ کہنا آسان ہے... لیکن کرنا مشکل۔“ ایک پہرے دار

جہا۔

”اکرام۔“ انسپکٹر جمشید کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”یس سر... یس سر۔“ اکرام کانپ گیا۔

ان کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا... پہرے دار بھی چونک اٹھے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پستول نظر آیا... لیکن ساتھ ہی پروفیسر داؤد کی آواز اٹھری:

”ضمیں جمشید... تم کچھ نہیں کرو گے۔“

☆...☆...☆

یہ انگلیٹھی

انہوں نے حیران ہو کر پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا:

”یہ... یہ آپ نے کیا کہا... اٹکل۔“ محمود نے حیران ہو کر

کہا۔

”میں نے کہا ہے... انسپکٹر جمشید اب تم کچھ نہیں کرو گے..

جو کرنا ہے... اب میں کروں گا... تم اپنا پستول جیب میں رکھ لو۔“

”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں... پہلے تو یہ بتائیں۔“

”میں اس محل کی اینٹ سے اینٹ جھاڑنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن ہم پہلے قانون کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں

پروفیسر صاحب۔“ اکرام نے گھبرا کر کہا۔

”وہ قانون کو نہیں مانتے... نہ وہ تم لوگوں کے وارنٹ کو

مانیں گے... یقین نہیں تو آزمائیں۔“

”ہم یہی کریں گے... ابھی آپ حرکت میں نہ آئیں۔“

انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

”لو کے جمشید... تم اپنا زور لگا لو... میں اس طرف ہٹ جاتا

ں... لیکن یہاں کام میں ہی کر سکوں گا... تم ان پہرے داروں کا

کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔“ ان کے لہجے میں الجھن تھی۔

”کیا مطلب... کیا یہ لوہے کے ہیں... میرا مطلب ہے...“  
کیا یہ روٹ ہیں۔“

”نہیں... لیکن یہ بلیٹ پروف لباس میں ہیں... ایسے لباس میں جو ابھی ہمارے ملک میں آنا بھی شروع نہیں ہوا... میں اس لباس کو پہچانتا ہوں... یہ انٹار جہ کے ایک سائنسدان نے بنایا تھا اور جب اس کی نمائش ہوئی تھی تو اس نے مجھے بھی بلایا تھا۔“

”تب پھر یہ لباس ان کے پاس کہاں سے آگیا؟“

”اس سوال کا جواب تم پھر سرتوڑے شاہ سے پوچھنا... اب کو... کیا پروگرام ہے۔“

”پہلے ہم ہی ان سے بات کریں گے۔“

”اوکے! میں اس طرف بالکل تیار ہوں... جو نئی تم اشارہ کرو گے، میں حرکت میں آجاؤں گا۔“

”لیکن ہم ایسا کوئی قدم کیوں اٹھائیں۔“

”قدم اٹھائے بغیر یہ تلاشی نہیں دیں گے... اور ہمیں پیر توڑے شاہ کو قاتل ثابت کرنا ہے۔“

ایسے میں اچانک محل کا دروازہ کھلا... شاید پہرے داروں نے خفیہ طور پر اندر اطلاع کر دی تھی... انہوں نے دیکھا... پچاس کے قریب مسلح آدمی آ رہے تھے... ان کے ہاتھوں میں ایسا اسلحہ تھا جو انہوں نے ابھی تک اپنے ملک میں نہیں دیکھا تھا۔

”کیوں جشید... اب کیا خیال ہے... کیا تم اس اسلحے کا مقابلہ کر سکو گے۔“

”جائیں... ابھی مجھے معلوم نہیں کہ اس کی مار کہاں تک ہے... یا کیسی ہے۔“

”یہ اس دور کی خطرناک ترین رائفیں ہیں... انسان کے پیچھے اڑا کر رکھ دیتی ہے اور ان سے نشانہ نہیں لینا پڑتا۔“

”جی کیا مطلب... نشانہ نہیں لینا پڑتا۔“

”بس دشمن جس سمت ہے... اس سمت میں قاتر کر دو... گولی خود دشمن کا رخ کرے گی... اور دشمن نہیں بچ سکے گا... جشید جس طرح تم پستول کی گولیوں کے وار چاہتے ہو نا... ان رائفوں کے وار نہیں چاسکو گے... لہذا مجھے میدان میں آنے دو... ورنہ نقصان میں رہیں گے ہم سب اور پیر توڑے کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے... آپ میدان میں آجائیں... لیکن وار اس وقت کریں... یہ جب یہ وار کرنے پر قائل جائیں۔“

”فکر نہ کرو۔“

”آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟“ ایک جلاوٹ نے آگے بڑھ کر کہا... شاید وہ ان کا انچارج تھا، رائفل اس کے ہاتھ میں بھی تھی...

”جشید... یہ لوگ اسی بلیٹ پروف لباس میں ہیں۔“

”ہوں... تو پھر تیار رہیں۔“

”میں سو فیصد تیار ہوں... خان رحمان... تم بھی موڑو۔“



سنبھال لو۔

”او کے پروفیسر۔“

”اور محمود، فاروق اور فرزانہ تم بھی۔“

”یس انکل۔“

یہ کیا ہو رہا ہے۔ ”انچارج فرمایا۔

”جنگ کی تیاری۔“

”کیا آپ لوگ پاگل ہیں۔“

”کبھی کبھی ہو جاتے ہیں... ابھی تک ٹھیک ہیں۔“ فاروق

نے منہ مایا۔

”اوہو... تم لوگ چاہتے کیا ہو؟“

”محل کی تلاشی... اب یا آپ ہمیں تلاشی لینے دیں یا جنگ

کے لیے تیار ہو جائیں۔“ انسپکٹر جوشید بولے۔

”ہمیں تیاری کرنے کی ضرورت نہیں... کیا آپ کے پاس

وارنٹ ہیں۔“

”ہاں! ہیں۔“

”آپ وارنٹ دکھادیں... ہم اندر بھیج دیں گے... پھر

جو پیر صاحب کا حکم ہوگا، وہ کریں گے۔“

”یہ بات تو ہم پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ وارنٹ دیکھ لیں...

اور تلاشی لینے دیں... ان لوگوں نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔“

”ٹھیک ہے... اب وارنٹ دکھادیں۔“

”اکرام... وارنٹ انہیں دے دو۔“

وارنٹ بغور پڑھنے کے بعد اس کے چہرے پر حیرت پھیل

گئی...

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”ہم سمجھے نہیں جناب! آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔“

”آئی جی صاحب یہ وارنٹ جاری نہیں کر سکتے۔“

”وارنٹ آپ کے ہاتھ میں ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں...

آئی جی صاحب یہ وارنٹ جاری نہیں کر سکتے۔“

”پہلے میں آئی جی صاحب سے تصدیق کروں گا... ہو سکتا

ہے... یہ دستخط جعلی ہوں۔“

”آپ جیل میں سے ہو سکتا ہے، ہٹادیں... پھر دیکھیے میں

کیا کرتا ہوں۔“ انسپکٹر جوشید مسکرائے۔

”کیا کریں گے آپ۔“

”آپ کو عدالت میں گھسیٹوں گا۔“

”اوہ نہیں... آپ ایسا بھی نہیں کر سکیں گے... پیر سر توڑے

شاہ اتنے کم طاقت نہیں کہ ان کے کارکن کو عدالت میں لے جایا

جاسکے۔“

”تب پھر آپ بے خوف ہو کر ہو سکتا ہے، جیل سے ہٹادیں

اور یوں کہیں... یہ دستخط جعلی ہیں۔“

”پہلے میں آئی جی صاحب سے بات کروں گا۔“ اس نے منہ

”جیسے آپ کی مرضی۔“

اس نے نمبر ڈائل کیے... سلسلہ ملنے پر یہ لا:

”شیخ صاحب! سر توڑے شاہ کا مرید خاص، شبیر شاہ بات

کر رہا ہوں۔“

پھر اس نے تفصیل سنا دی... اس کے بعد ریور ان کی

طرف بڑھا دیا:

”جشید... یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو... بیوی مشکل سے تو

چھوٹے سر توڑے شاہ والا مسئلہ ختم ہوا... اب تم ان کے محل پہنچ گئے۔“

”کیا مطلب سر... کیا میں جھنڈے خاں کے قتل کو بھول

جاؤں۔“

”کیا جھنڈے خاں کی لاش ملی ہے جشید۔“

”نہیں سر... لاش غائب کر دی گئی ہے۔“

”کیا اس کی بیوی کی طرف سے رپورٹ درج کرائی گئی ہے

جشید۔“

”لیں سر... اس نے اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن میں

رپورٹ درج کرائی ہے۔“

”تو انہی کو تعینات کرنے دو۔“

”آپ بھول رہے ہیں سر۔“ وہ مسکرائے۔

”اور وہ کیا...“

”انسپکٹر جمشید کو یہ اختیارات حاصل ہیں... وہ کسی بھی

علاقے کا کوئی بھی کیس، کسی بھی وقت اپنے ہاتھ میں لے کر خود کام

شروع کر سکتا ہے... اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا... یہ صدر

صاحب کے احکامات ہیں... آپ حوٹی جانتے ہیں۔“

”ہاں ایہ بات ہے... لیکن جشید... اس طرح پورے ملک

کا نظام گڑبڑ ہو جائے گا... صدر صاحب نے بہت مشکل سے پیر

توڑے شاہ کی حمایت حاصل کی ہے... اور اب ان کا ساتھ نہیں دیتے...

تو پھر وہ جس جماعت کا ساتھ دیں گے... آئندہ حکومت اس پارٹی کی

سنے گی... یہ ہے اہمیت سر توڑے شاہ کی۔“

”سر! معاف کیجئے... میں جھنڈے خاں کا کیا کروں... دوسری

بات... اگر سر توڑے شاہ نے یہ قتل نہیں کیا... تب تو انہیں خوشی

سے محل کی تلاشی کی اجازت دے دینا چاہیے... اس طرح تو ان کی

پوزیشن صاف ہو جائے گی... ورنہ بات سمجھی نہیں رہے گی...

مخالفین کے کانوں تک ضرور پہنچے گی... وہ تو اس قسم کی خبروں کی

تلاش میں ہیں... لہذا خوب چرچا ہو گا... اور الٹا نقصان ہو گا... اس

لیے توڑے شاہ کو چاہیے کہ خود تلاشی دیں... خوش ہو کر دیں...

تاکہ میں باہر نکل کر اخبارات کو بتا سکوں... پھر سر توڑے شاہ بالکل

بے گناہ ہیں... انہوں نے کسی جھنڈے خاں کو قتل نہیں کیا... یہ ان

کا خلاف پروپیگنڈا ہے۔“

”اور ہے بھی یہی بات... اسلام نامی شخص ضرور مخالف



جماعت کا آدمی ہے اور انہوں نے ہی اسے توڑے شاہ کے ہاں ملازمت کرنے کی ہدایت دی ہوگی... تاکہ وہ اندر کی خبریں پہنچاتا رہے۔

”اس بات کا امکان ہے... لیکن اس صورت میں تو سر توڑے شاہ کو خوشی سے تلاشی دینا چاہیے۔“

”اچھی بات ہے... تم ریسیور ان کے نائب کو دو۔“

اب آئی جی صاحب شبیر شاہ سے بات کرنے لگے... آخر اس نے سیٹ بند کر دیا اور ان کی طرف مڑے:

”آپ... صرف آپ میرے ساتھ اندر آئیں... میں آپ کو پیر صاحب سے ملوا دیتا ہوں... اگر وہ آپ کا اطمینان کرادیں... تو آپ واپس لوٹ جائے گا... آپ کا اطمینان نہ ہو سکے تو محل کی تلاشی لے لیجے گا۔“

”منظور۔“ وہ مسکرائے۔

”لیکن جوشید... ہم تمہیں اکیلے اندر نہیں جانے دیں گے.. کم از کم ہم ساتھ چلیں گے۔“ خان رحمان بولے۔

”آپ فکر نہ کریں... انہیں کچھ نہیں ہوگا۔“

”تو بھی ہمیں ساتھ لے جانے میں آپ کا کیا نقصان ہے۔“

پروفیسر داؤد بولے۔

”اچھا خیر... آپ دونوں بھی آجائیں۔“

”تب پھر جناب... ہمارا کیا قصور ہے۔“ محمود بولے۔

”کیا مطلب؟“

”ہم بھی اس بھانے محل کو اندر سے دیکھ لیں گے... بہت تعریف سننے میں آئی ہے... محل کے اندر دنی حصوں کی۔“

”اچھی بات ہے... آپ بھی آجائیں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

پھر وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئے... انہیں بہت حیرت ہوئی... اندر سے عمارت بہت طویل تھی... درمیان میں ایک بہت پختہ سڑک تھی... سڑک کے دونوں طرف پھولوں کے پودے لگے تھے اور ان میں رنگ برنگ کے پھول بھارد کھارہے تھے... پھولوں کے درمیان چلتے ہوئے انہیں عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا رہا... سڑک کے دونوں طرف کمرے تھے... انہیں تین منٹ تک چلنا پڑا... پھر کہیں جا کر وہ ایک عالی شان دروازے کے سامنے رکے... دروازے پر سونے کے تاروں سے کام کیا گیا تھا... شبیر شاہ نے دستک دی... دروازہ کھلا اور ایک خوفناک شکل کے آدمی نے غرا کر کہا:

”کیا ہے شبیر شاہ۔“

”ان... ان لوگوں کو پیر صاحب سے ملوانا ہے... آئی جی

صاحب سے بات ہو چکی ہے۔“

”اور پیر صاحب سے۔“

”آئی جی صاحب اب تک ان سے بات کر چکے ہوں گے۔“

”میں پتا کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔

”محل میں مریدوں کا ریش تو کہیں نظر آیا نہیں۔“

”یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے۔۔۔ ملاقات کے لیے اوقات

مقرر ہیں۔۔۔ مرید صرف ان اوقات میں ہی آتے ہیں۔۔۔ وہ بھی

نذرانے لے کر۔۔۔ نذرانے کے بغیر کوئی آتا ہے تو دروازے پر

موجود پہرے دار اسے اندر آنے ہی نہیں دیتے۔“

”اوہ اچھا۔“

میں اسی وقت دروازہ کھلا۔۔۔ اور خوفناک آواز سنائی دی۔

”ان لوگوں کو اندر بھیج دو شیر شاہ۔۔۔ تم واپس لوٹ جاؤ۔۔۔“

”تمہاری ڈیوٹی ختم۔“

”او کے سر۔“ اس نے گویا طمینان کا سانس لیا۔

پھر وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ ساتھ ہی دروازہ کھٹ سے بند

ہو گیا۔۔۔ اندر چھوٹے پیر صاحب گدے دار کر سی پر پر ایمان تھے اور

اکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔۔۔ کئی مرید اس کے بازو اور ٹانگیں اس طرح

زور شور سے مل مل کر دبا رہے تھے، گویا انہیں اور کوئی کام نہ ہو۔

”اوہ۔۔۔ آخر تم یہاں آ گئے۔“

”اور میں کیا کرتا تھا۔“

”دیوار سے سر ٹکرا دیتے۔۔۔ معاملہ صاف ہو جاتا۔“

”خود کشی حرام ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”یہاں آپ یہاں لپکھ رہے آئے ہیں۔“

”اگر کچھ لوگ میرا لپکھ رہنے کے خواہش مند ہوں تو لپکھ

بھی سنا سکتا ہوں۔“

”میں نہیں۔۔۔ رہنے دیں۔۔۔ اور کام کی بات کریں۔“

”کام کی بات۔۔۔ محل کی تلاشی لینا چاہتے ہیں اب۔“

”کتنے ٹپیوں کی ضرورت ہے۔“ اس نے نفرت زدہ انداز

میں کہا۔

”یہاں مطلب؟“ انسپکٹر جمشید چونکے۔

”کتنے ٹپیوں کی ضرورت ہے۔۔۔ کہ تمہارا اور تمہارے

ساتھیوں کا پیٹ بھر جائے۔“

”گویا تلاشی کے جائے آپ ہمیں رشوت دینا چاہتے ہیں۔“

”اس لیے کہ وقت بچ جائے گا آپ کا بھی اور ہمارا بھی۔“

”آپ ہمارے وقت کی بات نہ کریں۔۔۔ ہم دن رات کام

کرنے کے عادی ہیں۔“

”او کے۔۔۔ رقم بتائیں۔“

”خان رحمان۔“

”ہاں جمشید۔“ انہوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”اس سوال کا جواب دیں۔“

”بہت اچھا۔“

یہ کہہ کر خان رحمان قدرے آگے آگے۔۔۔ انہوں نے اپنی



جیب سے ہیرے کی ایک انگوٹھی نکال کر اس کے آگے پھینک دی۔

”کیا مطلب... یہ کیا ہے۔“

”ہیرے کی انگوٹھی۔“ وہ بولے۔

”کیا مطلب؟“

”ہیرے کی انگوٹھیاں ہماری جیبوں میں پڑی رہتی ہیں... رشوت لے کر ہم کیا کریں گے... آپ کے محل میں اس انگوٹھی کا کوئی جواب ہے؟“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

”ان... انگوٹھی کا جواب۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز

میں کہا۔

”کیوں... کیا ہوا؟“

”مم... میرا مطلب ہے، یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“

”حد ہو گئی... ہے کوئی تک۔“

”نہیں... ہاں تو بات ہو رہی تھی، رشوت کی... ہیر صاحب،

کیا آپ اس انگوٹھی کی قیمت لو اکر سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”یہ بھلا کیا مشکل ہے... میں کھڑے کھڑے اسے خرید

سکتا ہوں، بلکہ اس جیسی سینکڑوں انگوٹھیاں خرید سکتا ہوں۔“

”آپ سینکڑوں کی بات جانے دیں... فی الحال ایک کی بات

کریں۔“

”نہیں... میں اب ایک سے زائد خریدوں گا... شرط یہ ہے

کہ یہ اصلی ہیرا ہو۔“

”آپ اپنے جوہری کو بلا لیں۔“

”اچھی بات ہے... اب یہ کام ہو کر رہے گا... جوہری اس

وقت یہیں آیا ہوا ہے۔“

”یہ اور اچھا ہے... ویسے کیا اب وقت ضائع نہیں ہو رہا۔“

”لوہ... نہیں۔“ چھوٹا ہیر توڑے شاہ مسکرایا۔

پھر وہاں جوہری پہنچ گیا۔

”ذرا اس انگوٹھی کو دیکھئے گا... ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم اس

کی قیمت لو نہیں کر سکتے۔“

”یہ کیا فضول بات ہے۔“ جوہری نے منہ بنایا۔

”میں نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ کیا فضول ترین بات ہے... ہم

اور ہیرے کی انگوٹھی نہ خرید نہ سکیں۔“

”پہلے جوہری صاحب انگوٹھی کو دیکھ لیں... پھر بات

کریں۔“

”ٹھیک ہے... کہاں ہے انگوٹھی۔“

”فرش پر پڑی ہے۔“

”ہیرے کی انگوٹھی اور فرش پر... لوہ ہاں... نقلی ہیرے کی

انگوٹھی۔“ جوہری نے چونک کر کہا۔

”آپ پہلے دیکھ لیں، پھر بات کریں۔“

”یہ کیس... میں نے اٹھالی اور یہ دیکھ لیا اس کو... اس...

دور سے اچھلا۔

”کک... کیا ہوا؟“ چھوٹے سر توڑے شاہ نے حیران ہو کر کہا۔

”تن نہیں... نہیں۔“ جوہری چلا اٹھا۔

”اوہو... کیا ہو گیا ہے۔“

”یہ... یہ انگوٹھی۔“

”اوہو... چلو کوئی بات نہیں... ہو گیا ہمارا اندازہ غلط... یہ اصلی ہیرے کی ہے... تو پھر... ہیرے کی انگوٹھیاں ایسی چر تو نہیں کہ آپ دیکھ کر اچھل اچھل پڑیں۔“ حیرنے پر اساتذہ بنایا۔

”حد ہو گئی... آپ غلط سمجھے۔“ جوہری بولا۔

”میں کیا غلط سمجھا اور حد کیوں ہو گئی۔“ اس نے جمل کر کہا۔

”سر! یہ انگوٹھی... میرا مطلب ہے، اس انگوٹھی کا ہیرا کوئی

عام ہیرا نہیں ہے... ایسا ہیرا تو ملک کے صدر کے پاس بھی نہیں ہوگا... دنیا کے کسی عسکران کے پاس بھی نہیں ہوگا... حیرت ہے... یہ ان کے پاس کہاں سے آگیا۔“

”کیا... نہیں۔“ توڑے شاہ نے بولا کھلا کر کہا۔

”ہاں جناب! یہ نایاب چیز ہے... اس جیسا دوسرا ہیرا پوری دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہوگا... یہ جس قیمت پر چاہیں... کسی بھی عسکران کے ہاتھ اس کو فروخت کر سکتے ہیں... بڑے بڑے ملک کا عسکران اس کی قیمت ادا کرتے ہوئے چکر اچائے گا۔“

”تن... نہیں... وہ چیخا۔“

”یہی بات ہے جناب۔“

”آپ بتائیں آپ نے یہ کہاں سے لی؟“

”ہا ہا ہا... میری تو ہیروں کی کانیں ہیں... سونے کی کانیں

ہیں۔“

”خوب! ذرا مجھے بھی دکھانا بھی۔“ توڑے شاہ نے کہا۔

جوہری نے انگوٹھی اس کی طرف بڑھادی... وہ چند منٹ تک انگوٹھی میں جڑے ہیرے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔

”کیا مطلب؟“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔“

”آپ نے انگوٹھی جیب میں کیوں رکھی۔“

”اچھی لگی... رکھ لی... ہمیں جو چیز اچھی لگ جاتی ہے...

ہم اس حاصل کر لیتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... آپ نے انگوٹھی مفت میں رکھ لی۔“

”مرتا کیانہ کرتا۔“ حیر مسکرایا۔

”خوب! خوب! لیکن ہم اس بھادڑ سے فروخت نہیں کر سکتے۔“

”تو آپ سے بھادڑ پوچھ کون رہا ہے... آپ اس کو بھول

جائیں اور اگلی بات کریں... آپ حویلی کی تلاشی کس سلسلے میں لینا

چاہتے ہیں۔“

”پہلے انگوٹھی پر مذبات کر لی جائے۔“ خان رحمان جلدی



سے بولے۔

انٹیکٹر جشید مسکرا دیے، پھر انہوں نے کہا:

”فکر نہ کرو خان رحمان... انگوٹھی ان سے ہضم نہیں ہوگی۔“

تھوڑی دیر کے لیے انہیں اپنا دل خوش کرنے دیں... جب ہم یہاں سے چلے لگیں گے، اس وقت یاد کرانا۔“

”یاد کرانا... کیا مطلب... یاد کیا کراؤں۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”یہی کہ ابھی ہمیں ان سے اپنی انگوٹھی واپس لینا ہے۔“

”اوہ اچھا۔“ خان رحمان خوش ہو کر کہا۔

”مر گئے واپس لینے والے۔“

”اور واپس دینے والے۔“ فاروق نے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ چھوٹے سر توڑے شاہ نے حیران ہو کر

کہا۔

”اور واپس دینے والے زندہ ہیں یا مر گئے۔“

”وہ تمہارے سامنے زندہ سلامت موجود ہیں۔“

”یوں تو ہم بھی موجود ہیں پھر۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”یہ لڑکا پاگل تو نہیں؟“

”جی نہیں... البتہ۔“ محمود نے کہنا چاہا۔

”البتہ کیا؟“ وہ جلدی سی ہوا۔

”البتہ یہ دوسروں کو پاگل کر دینے کا ماہر ضرور ہے۔“

”مجھے ادھر ادھر کی باتیں پسند نہیں ہیں... آپ تلاشی کی

بات کریں... انگوٹھی کی بحول جائیں۔“

”آپ پر الزام ہے... میرا مطلب ہے... سر توڑے شاہ پر الزام ہے... کہ انہوں نے اپنے ایک ملازم جھنڈے خاں کو ہلاک کیا ہے۔“

”کیا بھو اس ہے... بھلا سر توڑے شاہ... اتنے بڑے آدمی،

ایک معمولی ملازم کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔“

”آپ کا مطلب ہے... ایسے چھوٹے موٹے لوگوں کو وہ

اپنے ملازموں سے ہلاک کر دیتے ہیں۔“

”اپنے ملازموں سے نہیں... اپنے جلاوٹوں سے۔“

”خوب! کیا آپ کے ان الفاظ کو اقبالی الفاظ سمجھا جائے۔“

”یہ کیا پوچھا آپ نے... میں سمجھا نہیں۔“

”کیا آپ عدالت میں بھی یہ الفاظ دہرا سکتے ہیں۔“

اس لمحے اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا... پھر اس

نے گھٹنی جاکی... فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ رنگ کا آدمی

اندرواغل ہوا... بالکل افریقہ کے جیسی۔

”کیا حکم ہے آقا... کیا ان کے ٹکڑے کر دوں۔“

”ٹکڑے کرنے کی باری بعد میں آئے گی... پہلے ممبران کو

بلاؤ... جلدی۔“

”لو کے آقا۔“ اس نے سر جھکا کر کہا... پھر جانے کے لیے

مزا... لیکن دروازے پر رک کر پھر ان کی طرف مڑا۔

”اب کیا ہے۔“

”ان کی کیا ضرورت ہے... ان کا قصہ ہمیں پاک کر دیتے ہیں۔“

”لوہو... تم جاؤ... اگر انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا تو اس پر عمل کریں گے۔“

”آپ کا تو لباس پروگرام لگتا ہے جناب اور ہمیں ذرا اہلدی ہے۔“ انسپکٹر جوشید نے جل کر کہا۔

”ہم ذرا اپنا قانونی حق استعمال کرنے لگے ہیں۔“

”لگ... کیا مطلب... قانونی حق۔“

”آپ نے عدالت کی بات کی ہے نا... تو ہم نے سوچا... ہم بھی کیوں نہ اپنے وکیل کو بلا لیں... ذرا قانون کا مقابلہ قانون سے ہی ہو جائے۔“

”لوہو اچھا... واقعی یہ آپ کا حق ہے... تو کیا اتنی دیر تک ہم یہاں میکار بیٹھے رہیں گے۔“

”نہیں... اتنی دیر تک آپ اپنی انگوٹھی کی بات کر لیں۔“

”لوہو ہاں! یہ ٹھیک رہے گا... لائیے انگوٹھی واپس... وہ آپ کی چیز نہیں ہے... اگر شوق ہے تو اس جیسی دوسری حاصل کر کے اعلان کریں کہ آپ نے بھی ایسی حاصل کر لی ہے۔“

”بہر لیا انگوٹھی۔“ اس نے منہ مٹایا۔

”اصل بات ہیرے کی ہے... ویسے تو وہ انگوٹھی بھی عام دھات کی نہیں یعنی سونے کی نہیں ہے، اس لیے کہ سونا پختہ مردوں کے لیے حرام ہے۔“

”کیا بات کہی آپ نے... حرام ہے... یہاں حرام حلال کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔“

”ہم جہاں ہوتے ہیں... موقع کے مطابق دوسروں کو دین کی بات ضرور بتاتے ہیں۔“

”حد ہو گئی... ارے میاں تم یہاں محل کی حلاشی لینے آئے تھے... درمیان میں نکال بیٹھے اپنی ہیرے کی انگوٹھی... جواب میں میری جیب میں نہیں ہے... اب آپ لے بیٹھے دین کی بات۔“

”کیا کیا جائے... مجبوری ہے... ارے ہاں... یہ آپ نے کیا کہا... جواب آپ کی جیب میں نہیں ہے۔“

”ہاں! آپ لوگوں کے سامنے اگرچہ میں نے انگوٹھی جیب میں ڈالی تھی... لیکن اب آپ اس کو میری جیب سے نکال کر نہیں دیکھا سکتے... لہذا آپ لوگوں کے لیے جیب میں نہیں ہے۔“

”آپ کے لیے تو ہے نا۔“

”میری بات چھوڑیں... اپنی کریں۔“

عین اس لمحے دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر حد درجے سختی کے آثار تھے اور آنکھوں میں غم تھا۔ جسم پر دو کیلوں والا لباس تھا... آتے ہی اس نے غرا کر کہا۔



”آپ کو ان لوگوں کی طرف سے کوئی پریشان محسوس ہوئی ہے سر؟“

”ارے نہیں... یہ بے چارے کیا پریشان کریں گے... انہوں نے بس ایک بات قانون کی کر ڈالی... تو میں نے انہیں یہ بتانے کے لیے آپ کو بلایا کہ قانون کے کھلاڑی ہماری جیبوں میں پڑے ہیں۔“

”اس میں کیا شک ہے۔“

”کک... کیا کہا آپ نے...“ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں نے کہا ہے... اس میں کیا شک ہے۔“ وکیل نے منہ مایا۔

”میں نے آپ سے نہیں سر پھوڑے صاحب سے کہا۔“  
”کیا کہا...“ وہ غرایا۔

”وہ سوری... زبان پھسل گئی۔“

”ہم زبان گدی سے کھینچ لیتے لیا کرتے ہیں۔“

”مشکل ہے جناب...“ محمود نے منہ مایا۔

”مشکل ہے... کیا مشکل ہے۔“

”اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے... یہ بہت مشکل ہے۔“

”اندازہ جلد ہو گا... فکر نہ کرو... ہاں تو کیا کہنا چاہتے تھے آپ۔“ اس نے فاروق کی طرف دیکھا۔

”آپ نے قانون کے کھلاڑی کو لاکھا... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“

”حد ہو گئی... یہ یہاں کون پاگل لوگ جمع ہو گئے ہیں... یہ تو مجھے پاگل کر دیں گے۔“ چھوٹے سر توڑے شاہ جھٹا اٹھا۔

”مجھے ان سے بات کرنے دیں جناب۔“ وکیل نے کہا۔

”اسی لیے تو بلایا ہے... اور کیا یہاں آپ کا اچار ڈالنا تھا۔“

اس نے منہ مایا۔

”نہیں سر... آپ فکر نہ کریں... آپ کو میرا اچار ڈالنے کی

ضرورت محسوس نہیں ہو گی... ہاں جناب... اب آپ بتائیں...

مقابلاً آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔“ وکیل ان کی طرف مڑا۔

پہلی بار انہوں نے اس کی زبان میں لرزش محسوس کی... گویا

وہ انہیں پہچاننے کے بعد پریشان ہو چلا تھا۔

”آپ کا اندازہ درست ہے... اس محل کی تلاشی کا وارنٹ

ہے ہمارے پاس اور بس... ہم یہاں کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“

”وارنٹ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”پتا نہیں... آپ تو وارنٹ دیکھ لیں بس۔“

اس نے وارنٹ دیکھے... آنکھیں گھمائیں... پھر بولا:

”آئی جی نے آپ کے خلاف وارنٹ جاری کر کیسے دیا۔“

”اس سے بعد میں نہیں گے... پہلے ان سے بات کر لیں۔“

چھوٹے سر توڑے شاہ نے کہا۔

”لوہ ہاں... خیر... آپ تلاشی دے دیں... ہمارا کیا جاتا ہے۔“

”آپ کا مطلب ہے... ہم انہیں محل کی تلاشی لینے دیں... آپ تو انگوٹھی بھی واپس کرنے کے لیے کہہ دیں گے پھر۔“

”انگوٹھی... کیا مطلب؟“ وکیل اور پریشان ہو گیا۔

اب اس نے انگوٹھی کے بارے میں بتایا۔

”آپ سارے کام کر ڈالنے کے بعد مجھے بلااتے ہیں چناب... میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ مجھے پہلے بلایا کریں۔“

”آپ کی بات ہمیں بعد میں یاد آتی ہے۔“

”خیر کوئی بات نہیں... اب آپ کے پاس دو راستے ہیں... پہلا یہ کہ محل کی تلاشی دے دیں اور ان کی انگوٹھی انہیں واپس دے دیں... اس صورت میں آپ ہر قسم کی الجھن سے بچ جائیں گے... اور دوسرا استادی پر اناراستا۔“

”دوسرا استادی پر اناراستا... اس جیلے میں تو دو نام ہو گئے بولوں کے... پہلا نام دوسرا استا، دوسرا نام پر اناراستا۔“

”تب پھر وکیل صاحب... اب ہمیں پر اناراستا ہی اپنانا ہو گا۔“

”لیکن یہ راستہ ہم سب کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”وکیل صاحب... کیا آپ یہ شاندار ملازمت چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔“

”میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن اگر آپ میرے قانونی مشورے چاہتے ہیں تو ان پر عمل بھی کریں۔“

”تب ہم پر اناراستا ہی اختیار کریں گے... آپ کو وکالت کرنا ہے کریں... ورنہ یہاں تو لائن لگ جائے گی وکیلوں کی۔“

”اس میں تو خیر شک نہیں۔“ وکیل مسکرایا۔

”کس میں شک نہیں۔“

”یہ کہ یہاں وکیلوں کی لائن لگ جائے گی۔“

”آپ بھی ان لوگوں کی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔“ سر توڑے کے لمبے میں حیرت تھی۔

”مجھے کوئی تیسرا راستا نظر نہیں آ رہا۔“ وکیل نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”تب پھر آپ آرام کریں... ہمیں اپنا کام شروع کرنے دیں۔“

”یہ انپکٹر جمشید ہیں۔“

”تو میں کیا کروں۔“

”لو کے... میں جا رہا ہوں... آپ جانیں... آپ کا کام۔“

یہ کہہ کر وکیل ایک جھٹکے سے مڑا۔

”دو بچ لو۔“

سر توڑے نے سرد آواز منہ سے نکالی... فوراً وہاں موجود جلاوطنوں نے اسے جکڑ لیا۔



اسی وقت ایک ٹب میں پانی لایا گیا... ان کے سامنے پیر نے اپنے دونوں پیر اس میں ڈال دیے... پھر پانی کو پیروں سے ہلایا جلائی۔ آخر اس پانی میں سے ایک گلاس بھر لیا گیا... وہ گلاس وکیل کو پیش کیا گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے گلاس پکڑ لیا اور لے چلا منہ کی طرف...

”ایک منٹ جناب۔“ ایسے میں انسپکٹر جمشید سرد آواز میں

بولے۔

”کیا مطلب؟“ توڑے شاہ نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ انسانیت کی توہین ہے اور ہم انسانیت کی توہین برداشت نہیں کر سکتے لیکن وکیل صاحب آپ یہ پانی نہ پئیں۔“

”حد ہو گئی... آپ کون ہوتے ہیں ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑانے والے... یہ ان کی زندگی اور موت کا سوال ہے... اور پھر ملازمت کا بھی۔“

”ہو گا... سوال... ہمیں کیا۔“ انسپکٹر جمشید نے منہ ہلایا۔

”مطلب یہ کہ آپ دخل دے کر رہیں گے۔“

”جب اوکھلی میں سردیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔“

”تب پھر سن لیں... نہ آپ کی انگوٹھی آپ کو دی جائے گی... نہ محل کی تلاشی دی جائے گی۔“

”آپ سن رہے ہیں وکیل صاحب۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”ہاں! کیوں نہیں... میں سن رہا ہوں۔“

## دھماکے کی برکت

وہ حیرت زدہ رہ گئے...

”یہ... یہ کیا۔“

”گردن مروڑ دواس کی۔“

”نہیں... نہیں... مجھ سے غلطی ہو گئی... مم مجھے معاف

کر دیں... تمام زندگی آپ کے پاؤں دھو کر دھو کر بیوں گا۔“

”وعدہ کرتے ہیں۔“ سرد توڑے شاہ ہنسا۔

”بالکل۔“ اس نے کہا۔

”پانی لایا جائے... ہم اپنے پیر دھونا چاہتے ہیں۔“

”کک... کیا مطلب؟“ وکیل لرز گیا۔

”ابھی آپ نے کہا تھا... آپ ہمارے پاؤں دھو کر دھو کر پئیں

گے۔“

”وہ... وہ مم... نے محاورہ کہا تھا۔“

”دوبچ لو... گردن مروڑ دو۔“

”نہیں... نہیں... اچھا ٹھیک ہے... آپ پیر دھوئیں۔“

”واہ! یہ ہوئی ثبات۔“

”عدالت میں گواہی دیں گے ان کے خلاف۔“

”نہیں... آپ انہیں نہیں جانتے۔“

”اور آپ ہمیں نہیں جانتے۔“

”میں آپ لوگوں کو جانتا ہوں۔“

”لو کہ... آپ گواہی نہیں دیں گے... پھر بھی ہم آپ کو

یہ پانی نہیں پینے دیں گے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے پروفیسر داؤد کو اشارہ

کر دیا۔ ان کا ہاتھ حرکت میں آیا اور پھر وہاں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا...

وہاں موجود لوگوں کی جھپٹیں بلند ہوئیں... پھر خاموشی چھا گئی۔

”خان رحمان... تم اپنی انگوٹھی نکال لو... اور تم لوگ ان

سب کو باندھ دو... ان کے ہوش میں آنے سے پہلے پہلے... ویسے

پروفیسر صاحب ایسے بے ہوشی کا تجربہ کتنی دیر کا ہے۔“

”یوں تو یہ تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے...

ہاں ایک دوا سنگھائی جائے تو فوراً آنکھیں کھول دیں گے۔“

”پہلے پھر تو ٹھیک ہے۔“

”اور ہم کیوں بے ہوش نہیں ہوئے اٹکل۔“ محمود نے

پوچھا۔

”جب ہم کسی مسم پر روانہ ہوتے ہیں... میں ایک ایک گولی

چوسنے کے لیے تم لوگوں کو دیتا ہوں... آج وہ گولی میں نے گاڑی میں

دی تھی یا نہیں۔“

”اوہ... جی ہاں... ہم سمجھے تھے... آج آپ کو اپنا جھگڑا یاد

آ گیا ہے... اور ہمیں بھی اپنا جھگڑا یاد کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

بھہ ہم تو ہمیشہ کی خیال کر لیتے ہیں۔“

”خیر کوئی بات نہیں... یہ خیال کر لینے میں کوئی حرج

نہیں۔“ وہ مسکرائے۔

”لیکن اب کیا ہوگا... یہاں تو بڑے توڑے کی پوری فوج

آجائے گی۔“

”اوہ ہاں... پہلے مجھے اپنی خفیہ فورس کو یہاں بلا لینا چاہیے...

تاکہ ہم کوئی خطرہ مول نہ لے سکیں۔“

”اور بے ہوش وکیل کا کیا جائے۔“

”وکیل کی گواہی ہمارے بہت کام آئے گی... اسے خفیہ

لحکات نمبر تین پر بھیج دیتے ہیں... جس روز گواہی ہوگی... بس اسی

روز وہاں سے اسے عدالت میں لائیں گے۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

پھر انہوں نے ایسا ہی کیا... ان لوگوں کو ہوش میں لایا گیا۔

پھر انہوں نے توڑے شاہ حیرت زدہ انداز میں کافی دیر تک چپکا کا تار ہا،

آخر اس نے کہا:

”یہ سب کیا تھا... وہ دھماکا کیسا تھا۔“

”وہ دھماکا دراصل جادو کا دھماکا تھا۔“

”کک... کیا کہا... جادو کا دھماکا...“ فاروق نے گھبرا کر



کہا۔

”کیا ہو گیا ہے بھائی۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”مم... میرا مطلب ہے... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا

ہے۔“

”حد ہو گئی... یعنی کہ۔“

”اور ہمیں باندھا کیوں گیا ہے... اوہ... وہ وہ کیل کہاں گیا۔“

اس نے وہ پانی پی لیا نہیں۔“

”نہیں... انہیں پیاس نہیں تھی... اب پانی آپ کے لیے ہے...“

یہ لیں... خان رحمان... ذرا ان کی پیاس ٹھانڈ۔“

”خبردار... میرے پیروں کو دھو کر حاصل کیا جانے والا

پانی بھی کو پٹا رہے ہوا!“

”کیا مطلب... کیا آپ کسی اور کے پاؤں دھو کر وہ پانی چاہتے ہیں... تب پھر فرمائیں... آپ کے لیے کس کے پاؤں

دھوئے جائیں۔“

”ابھی تک بڑے صاحب کو ان حالات کی خبر کیوں نہیں

ہوئی... یہ محل ہمارا ہے... اس پر ان کا قبضہ کیسے ہو گیا۔“

”یہ سب اس دھماکے کی بدکت ہے... کیا آپ یہ بات اب

تک نہیں سمجھ سکے۔“

”اب تم لوگوں نے اپنی قسمت تاریک کر لی... اس بات کو

لکھ لیں۔“

”لکھنے کے لیے قلم کاغذ کی ضرورت پیش آئے گی۔“

ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا... اور ایک سفید لباس والا

اندروں داخل ہوا... اس نے انٹیکٹر جھپٹ کر نہایت ادب سے سلام کیا،

پھر یہ:

”بڑے پیر صاحب تشریف لارہے ہیں۔“

”اچھا... کوئی بات نہیں... بس صرف وہ اندر آئیں۔“

”لو کے سر... ایک وزیر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں... وہ

کئی بار فون کر چکے ہیں... ہم نے ہر بار یہی جواب دیا ہے، آپ بہت

مصرف ہیں... ہر بار ان کا پارہ چڑھتا گیا ہے... اور اب مارے غصے

کے وہ زمین پر پاؤں نہیں ٹکا رہے۔“

”ان کی بات چھوڑو... اب ہمیں محل کی تلاشی تو لینا ہو گی..

چاہے کوئی وزیر آئے یا ملک کا صدر ہی کیوں نہ آجائے... کیا تم نے یہ

بات نوٹ کر لی... کہ ہمیں ہر حال میں محل کی تلاشی لینا ہے...“

”لیں سر... میں اس بات کو سمجھتا ہوں۔“

”اور کیا تم پوری طرح تیار ہو۔“

”جی ہاں... بالکل۔“

”میں ایسا نہیں سمجھتا۔“

”کیا نہیں سمجھتے آپ۔“

”یہ کہ تم لوگ پوری طرح تیار ہو۔“

”اوہ سوری سر... مم... معافی چاہتا ہوں۔“

”جاؤ... جلدی کرو۔“

یعنی اس وقت دروازے پر زور وار دستک دی گئی... ساتھ ہی گرج دار آواز سنائی دی:

”یہ یہاں کیا ہو رہا ہے... یہ سر توڑے شاہ کا محل ہے یا کوئی کھنڈار خانہ۔“

آواز بہت بلند تھی اور بھاری بھر کم تھی... انہوں نے خیر فورس کے کارکن کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔  
”نہیں سر... یہ بڑے والے ہیں۔“ وہ مسکرایا۔  
”اوکے... تم جاؤ اور تیار شروع کرو۔“

وہ چپ چاپ دروازہ کھول کر نکل گیا... اوہر بڑے توڑے شاہ اندر داخل ہوئے... ان کا حلیہ عجیب و غریب تھا... بہت بڑی بڑی مونچھیں... ڈانٹھی بھی بے تحاشہ بڑھی ہوئی... سکسوں جیسی... چہرے پر مونچھیں زیادہ نظر آرہی تھیں باقی چہرہ گویا ان کے پیچھے چھپ گیا تھا... اور دونوں ہونٹ تو بالکل نظر نہیں آرہے تھے... آنکھیں بالکل گول تھیں... الوؤں جیسی... سر پر اگر دو سینک بھی ہوتے تو وہ بالکل جن نظر آتا... لیکن بہر حال وہاں سینک نہیں تھے... تاہم انہوں نے خیال ہی خیال میں اس کے سر پر دو سینک بھی کھڑے کر لیے۔

”یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”آپ بڑے سر توڑے شاہ ہیں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس میں کیا شک ہے۔“

”کیا آپ نے جھنڈے خاں کو قتل کیا ہے۔“

”جھنڈے خاں... کون جھنڈے خاں۔“

”آپ کا ملازم تھا بے چارہ... چائے بنا کر لایا تھا... چائے میں آپ کو بال نظر آگیا... بس آپ نے اس غریب کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔“

”یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔“

”جس نے دیکھا ہے... اس کا نام بھی سن سے ہے... وہ آپ کے خلاف عدالت میں گواہی دے گا۔“

”مر گئے گواہی دینے والے... اور یہ کیا... تم لوگوں نے میرے بھائی اور حویلی کے ملازموں کو باندھ کیوں رکھا ہے۔“

”یہ ہم پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔“

”تم لوگوں کو پر حملہ کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے... تم تو بغیر حملہ کیے ہی نیست و نابود ہو جاؤ گے... اسلام جس روز کا یہ واقعہ بتاتا ہے... اس روز تو ہم محل میں موجود ہی نہیں تھے اور پھر ہم عدالت میں سوال اٹھائیں گے... لاش کہاں ہے۔“

”اور میں جواب دوں گا... ہم لاش ان کے محل سے تلاش کر چکے ہیں۔“

”کیا دن میں خواب دیکھنے کے عادی ہو۔“

”میں تو رات میں بھی بہت کم خواب دیکھتا ہوں۔“



”تو پھر جاؤ... کیوں اپنے پاؤں پر کھلاڑی مارنے چلے آئے ہو... میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔“

”ہم محل کی تلاشی لینے کے لیے آئے ہیں اور تلاشی لے کر جائیں گے۔“

ایسے میں فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی... بڑے پیر نے فون کی طرف قدم بڑھائے۔

”نہیں... فون ہم سنیں گے۔“

”یہ کیا بات ہوئی... یہ میرا محل ہے... آپ کا دفتر نہیں۔“

”آپ زیر حراست ہیں۔“

”کیا!!!“ وہ چیخا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھالیا اور دوسری طرف کی بات سن کر ان کے منہ سے گل مل گیا۔

”کیا!!!“

☆...☆...☆

## آخری کوشش

دوسری طرف صدر صاحب تھے اور انہوں نے فون میں

کہا تھا:

”جمشید اسر توڑے شاہ کا محل فوراً خالی کر دو... ان کے کسی آدمی کو گرفتار نہ کرنا... نہ ان کے بھائی کو کچھ کہنا... اور فوری طور پر تم میرے پاس ایوان صدر چلے آؤ۔“

”معاف کیجئے سر... اب یہ نہیں ہو سکتا... پھر سر توڑے شاہ نے ایک شخص بلکہ ایک بہت غریب شخص... اپنے ملازم جھنڈے خاں کو قتل کیا ہے... یعنی گواہ ہمارے پاس موجود ہے۔“

”یعنی گواہ... کیا کوئی ان کا مخالف جھوٹا گواہ نہیں بن سکتا۔“

”اگر یہ بات ہے... تو پھر محتول کہاں ہے... آخر وہ ایک

جیتا جاگتا انسان تھا... کوئی کھلونا نہیں کہ توڑ کر پھینک دیا ہوگا۔“

”اسے تلاش کرنا تمہارا کام ہے... پہلے اس کی لاش کو

تلاش کرو... پھر کسی پر الزام عاید کرنا... جب تک لاش نہیں مل

جاتی، اس وقت تک ہم سر توڑے شاہ خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا

سکتے۔“

”میں ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہا سر... صرف محل کی تلاشی لینا چاہتا ہوں... اور یہ تلاشی جھنڈے خاں کی تلاشی کے سلسلے میں ہے۔“

”ٹھیک ہے... تم تلاشی لے لو... لیکن اس سے زیادہ کچھ اور نہ کرنا۔“

”ہمیں کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔“ انہوں نے منہ مٹایا۔

انہوں شاید جل بہن کر کہا...

”اچھا فون کار بیسور سر توڑے شاہ کو دیں۔“ صدر صاحب نے بھلا کر کہا۔

انہوں نے مسکرا کر بیسور اس کی طرف بڑھا دیا... صدر کی بات سن کر توڑے شاہ چلا اٹھا۔

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... میں ہرگز تلاشی نہیں دوں گا... اگر ایسا کیا گیا تو میرے مرید ملک کی اینٹ سے اینٹ جادیں گے... کیا آپ چاہتے ہیں... ملک کی اینٹ سے اینٹ جھاڑی جائے۔“

”نہیں... میں ایسا کیوں چاہوں گا بھلا۔“ صدر صاحب گھبرا کر بولے۔

”تب پھر انہیں حکم دیں کہ یہ یہاں سے فوراً لوٹ جائیں۔“  
”آپ نہیں جانتے سر توڑے شاہ...“ صدر صاحب نے

سر د آواز میں کہا۔

”اور میں کیا نہیں جانتا، یہ بھی تو بتائیں۔“

”یہ کہ یہ کوئی عام انسان نہیں ہیں... انسپکٹر جمشید ہیں...“

ان کی بھی ملک میں ایک طاقت ہے... یعنی ملک میں ان کے حامی شاید آپ کے مریدوں سے بھی زیادہ فکمل آئیں۔“

”مجھے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں... آپ مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔“

”میری معلومات اس وقت بہت خوشحاک ہیں سر توڑے شاہ... آپ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور انہیں تلاشی لینے دیں...“

آخر اس میں آپ کا کیا نقصان ہے... اگر آپ نے یہ جرم نہیں کیا تو وہ اس شخص کی تلاش کو کس طرح تلاش کر لیں گے بھلا۔“

”مجھے نہیں معلوم... میں تو بس محل کی تلاشی نہیں دوں گا۔“  
”اب قانون انسپکٹر جمشید کا ساتھ دے گا... آپ سوچ لیں۔“

”قانون میرے نزدیک کچھ نہیں ہے... اس کو تو ہم خود مٹاتے ہیں... خود توڑتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ ذرا بیسور انسپکٹر جمشید کو دیں...“

میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔“  
”ہاں ایہ ہوئی بات۔“

اب پھر بیسور انسپکٹر جمشید کے کان سے آگیا۔



”جشید... تم ہی مان جاؤ۔“

”اگر یہ تلاشی نہ لی گئی سر... تو پوری دنیا میں ہمارے ملک کا مذاق اڑایا جائے گا... کیا ایسا پسند کرتے ہیں... جب قانون کے مطابق ایک کام ہو رہا ہے تو سر توڑے شاہ کو اس قانون کا احترام کرنا چاہیے... اگر انہوں نے جرم نہیں کیا تو انہیں پروا نہیں ہونی چاہیے... جب لاش نہیں ملے گی اور میں کوئی جرم ثابت نہیں کر سکوں گا تو کیا اس طرح ان کی نیک نامی میں اضافہ نہیں ہوگا اور بدنامی ہمارے پلے آئے گی... یہ یہ کیوں نہیں سوچتے۔“

”میں نے ہر طرح انہیں مجبور کیا ہے... لیکن یہ بھی نہیں مانتے۔“

”تب آپ درمیان سے ہٹ جائیں... معاملہ ان کے اور میرے درمیان رہنے دیں...“

”اب... اب شاید یہی کرنا ہوگا۔“ صدر صاحب نے مجبور ہو کر کہا۔

”شکر یہ سر۔“

”ریسور پھر سر توڑے شاہ کو دو جشید... میں ایک آخری کوشش اور کر لوں۔“

”جی... ہاں... ضرور کیوں نہیں۔“

لوہ پھر ریسور سر توڑے شاہ کے کان سے آگے۔  
”سر توڑے شاہ... انسپکٹر جشید نہیں رکیں گے... میں انہیں

زبانی طور پر روک سکتا تھا... سو میں کوشش کر چکا... قانون میں انہیں نہیں روک سکتا... لہذا آپ جائیں... انسپکٹر جشید جانے۔“

”ٹھیک ہے... یہی تو میں نے کہا ہے... آپ درمیان سے ہٹ جائیں... مجھے اس سے خود فیصلہ کر لینے دیں۔“

”میں درمیان سے ہٹ رہا ہوں... اب آپ ایک کوشش کیجئے گا آپ۔“

”اور وہ کیا؟“

”انسپکٹر جشید آپ کے محل کی تلاشی نہ لینے پائے... اگر انہوں نے تلاشی لے لی... اور آپ نے یہ جرم کیا ہے تو پھر سمجھ لیں... وہ لاش بھی تلاشی کر لیں گے آپ کے خلاف تمام تر ثبوت بھی حاصل کر لیں گے... کیا سمجھے آپ۔“

”وہ ایسا نہیں کر سکیں گے... میں اپنے مریدوں کی فوج کو آواز دے چکا ہوں۔“

”اور وہ...“ صدر کہتے کہتے رک گئے۔

”اور وہ کیا؟“

”اور وہ اپنی فوج کو آواز دے چکے ہیں۔“

”کیا کہا... ان کی فوج... یہ ان کی فوج کہاں سے آگئی... فوج تو ملک کی ہوتی ہے۔“

”ان کے پاس بھی ایک فوج ہے... ٹھیک فورس۔“

”یہ فوج انہیں کس نے دی... کیا قانون نے؟“

”ہاں! ملک کا قانون مٹانے والوں نے۔“

”کیا!!!“ سر توڑے شاہ پہلی بار خوف زدہ انداز میں چلا

اٹھا۔

”ہاں جناب! اسی لیے میں اتنی دیر نے آپ کو سمجھا رہا تھا... یہاں لاشوں کے ڈیر تو لگ سکتے ہیں... انسپکٹر جمشید پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔“

”خیر دیکھا جائے گا... میرے پاس بھی کچھ کم مرید نہیں ہیں۔“

”لو کے... اب میں اجازت چاہوں گا... اب یہاں جو کچھ ہو گا... اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی... کیونکہ قانون انسپکٹر جمشید کی طرف ہے۔“

”میں اسے یہاں سے زندہ جانے ہی نہیں دوں گا۔“

”لو کے...“ یہ کہہ کر صدر صاحب نے فون بند کر دیا۔

پھر جو نئی سر توڑے شاہ نے ریسیور کان سے ہٹایا۔ اس کی گردن کی ہڈی انسپکٹر جمشید کے بازوؤں میں آگئی... اس کے منہ سے مارے خوف کے ایک چیخ نکل گئی۔

”یہ... یہ کیا... چھوڑ دو مجھے... تمہیں تلاشی لینا ہے... تو

یہ تلاشی لینے کا کون سا طریقہ ہے۔“

”آپ نے خود تلاشی لینے کے درست طریقے سے انکار کیا ہے... اب ہم اپنے طریقے سے تلاشی لیں گے... کیونکہ جس

طرح آپ تلاشی دینا چاہتے ہیں... اس طرح تو یہاں لاشوں کے انبار لگ جائیں گے... لیکن میں چاہتا ہوں... ایک انسان کا بھی خون نہ بچے... اور رنگ چو کھا آئے۔“

”یہ رنگ چو کھا آپ کہاں سے لے آئے۔“ قاروقی کے لمبے میں حیرت تھی۔

وہ مسکرا دیے... ادھر انہوں نے سر توڑے شاہ سے کہا... ”اب آپ اپنے مریدوں کو حکم دیں... ان میں سے کوئی حرکت نہ کرے... ورنہ وہ بھی بے موت مارے جائیں گے۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے تھوڑا سا دباؤ اور بڑھا دیا... اس کے منہ سے ایک چیخ اور نکل گئی...

”حکم دیتے ہو یا میں گردہ توڑ دوں۔“

”مم... میں... میں حکم دے رہا ہوں۔“

”یہاں سے نہیں... محل کی چھت پر چلو۔“ وہ غرائے۔

اب وہ اسے محل کی چھت پر لے آئے... انہوں نے دیکھا۔ محل کے چاروں طرف پیر کے مرید موجود تھے... لیکن ان کی خفیہ فورس وہاں نظر نہیں آرہی تھی۔ یہ دیکھ کر پیر توڑے شاہ نے حیران ہو کر کہا:

”یہ... یہ کیا... یہاں تو آپ کی کوئی فورس نہیں ہے۔“

”وہ خفیہ فورس ہی کیا... جو نظر آئے... وہ خفیہ جگہوں پر مورچے سنبھال چکی ہے... تم کو تو ایک آدھ قارکرادوں ان سے..“



لیکن اس طرح ایک دو آدمی چل بسیں گے۔“

”خ... خالی قائر کرائیں۔“

”اچھا بونہی سی۔“

اب انہوں نے اپنے آلے کی مدد سے انہیں پیغام دیا۔

”چند ہوئی قائر کر کے انہیں بتائیں کہ آپ یہاں موجود

ہیں۔“

”لو کے سر۔“

فوراً کئی قائر ہوئے...

”اب کیا خیال ہے۔“

”ٹھیک ہے... میں اعلان کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

”اب آئے ہو پہاڑ کے نیچے...“ قاروق مسکرایا۔

اب اس نے بلند آواز من سے نکالی۔

”میرے مریدو... انسپکٹر جمشید صرف یہاں کی تلاشی لینا

چاہتے ہیں... پہلے میں غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ یہاں کچھ اور کارروائی

کرنا چاہتے ہیں... لہذا جب ہم نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تو ہم کیوں

لڑیں... یہ لڑائی قانون سے ہوگی جس کا قائدہ آخر ہمیں ہوگا...

لہذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تلاشی دے دی جائے... لہذا آپ لوگ

اپنے اپنے ٹھکانوں پر لوٹ جائیں... اب یہاں آپ کی کوئی ضرورت

نہیں رہی۔“

”اور... اور پیر صاحب یہ جو قائر ہوئے تھے۔“

”وہ میں نے خود کرائے تھے... آپ لوگوں کو متوجہ کرنے

کے لیے۔“

”جو حکم آپ کا۔“

انسپکٹر جمشید اسے اس طرح سامنے کیا ہوا تھا کہ خود اس کی

اوٹ میں چھپ گئے تھے اور باقی لوگ تو پہلے ہی اکڑوں بیٹھے تھے...

ایسے محل کی چھت پر ایک آواز ابھری۔

”انسپکٹر جمشید... آپ پیر صاحب کو چھوڑ دیں... ورنہ۔“

☆...☆...☆

## ثبوت

وہ چونک کر مزے.. انہوں نے دیکھا... نگلی تلوار پر دھیر  
داؤد کی گردن پر رکھی ہوئی تھی اور وہ چھت پر چت لینے ہوئے تھے۔  
لوہر آتے ہوئے وہ اس پہرے دار کو نہ دیکھ سکے جس کی ڈیوٹی شاید  
پہت پر تھی...

ایک لمحے کے لیے وہ پکرا گئے۔

"میں تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گا... پہرے دار۔"

"شکریہ بھیر صاحب۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لو کے... آپ تلوار گردن پر سے ہٹالیں... میں بھیر

سر توڑے شاہ کو چھوڑ رہا ہوں۔"

"نہیں... پہلے آپ انہیں چھوڑیں۔"

"لو کے... میں انہیں چھوڑ رہا ہوں۔"

عین اس لمحے خان رحمان حرکت میں آئے... ان کے

پستول سے ایک گولی نگلی اور سیدھی اس کے دماغ میں گھس گئی... اس

کے دونوں ہاتھ تلوار کے دستے پر سے ہٹ گئے اور وہ چھت پر گر کر

تر پئے لگا۔

"بھیر توڑے شاہ... اپنا وعدہ پورا کر دو... اس کا منہ موتیوں

سے بھر دو۔"

بھیر توڑے شاہ ہکا بکارہ گیا... پھر انہوں نے بھیر توڑے شاہ

کو باندھ دیا اور نیچے لے آئے... محل میں پہلے ہی اس کا اعلان گونج چکا

تھا... اور پھر باہر سے جو فوجی پہرے دار مرید ہٹ گئے تھے... خفیہ

فوری اندر داخل ہو گئی... اب محل والے دم خود تھے... شاید انہوں

نے زندگی کے کسی لمحے میں یہ سوچا تک نہیں تھا کہ بھیر سر توڑے شاہ

کے محل کی تلاشی بھی لی جاسکتی ہے... خفیہ فوری نے پورا محل چھان

مارا... لیکن کہیں سے جھنڈے خاں کی لاش نہ آئی ہوئی... پریشان

ہو کر انسپکٹر جمشید کے ساتھیوں میں سے چند حاضر ہوئے۔

"سر... کہیں کوئی لاش نہیں ہے۔"

"ہا ہا ہا... بھیر سر توڑے شاہ ہنسنا۔"

"اب کیا ہے گا انسپکٹر صاحب... آپ تو مارے گئے، عدالت

تو آپ سے لاش کا سوال کرے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم عدالت کو لاش کا جواب دیں

گے۔"

"جج... جج... یہ آپ نے کیا کہا... لاش کا جواب... لاش کا

سوال... ارے باپ رے... یہ دونوں تو ٹائولوں کے نام ہو سکتے

ہیں... بلکہ اسے کہتے ہیں ترکی بہ ترکی جواب دینا۔"

"ہوں... خیر... کوئی بات نہیں... اب تینوں جاؤ اور محل



سے لاش نکال لاؤ... یاد رکھو... لاش کے بغیر میرے پاس نہ آنا۔  
انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

”ارے باپ رے... اگر ان لوگوں نے پہلے ہی اس کو پانی  
بنا کر گز میں بھا دیا ہو تو ہم بے چاری لاش کہاں سے لائیں گے۔“

”تب وہ جگہ تلاش کرنا ہوگی... جہاں لاش کو پانی ملایا جاتا  
ہے... لاش ایسے ہی پانی نہیں بن جاتی ہوگی... اس کے لیے پتا نہیں

کون کون سے کیمیکل استعمال کیے جاتے ہوں گے۔“  
”اوہ ہاں! یہ تو ہے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اگر یہ ہے تو پھر جلدی کرو... پہلے ہی بہت وقت لگ چکا  
ہے۔“

”اور انسپکٹر صاحب آپ نے محنت پر میرے ایک آدمی کو  
قتل کیا ہے... آپ کو عدالت میں اس کا بھی حساب دینا ہوگا۔“

”فکر نہ کریں... جس جس چیز کا عدالت حساب مانگے گی،  
ہم دیں گے... یہ اور بات ہے کہ ہمارا حساب آپ کو پسند نہیں آئے

گا۔“  
”دیکھا جائے گا۔“ خیر تونزے شاہ نے راسمانہ بنایا۔

پھر وہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے...  
”کیا ہم اپنے اٹلر کو ساتھ لے جاسکتے ہیں۔“

”اگر یہ تم تینوں کا ساتھ دینا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض  
نہیں ہوگا۔“

”حد ہو گئی... ہم اور ان کے ساتھ نہیں جانا چاہیں گے...  
کیسی باتیں کرتے ہو جمشید۔“

”تو پھر جائیں... آپ کو روکا کس نے ہے۔“ انہوں نے  
خس کر کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھے... انہوں نے  
نعل کے دو ملازموں کو ساتھ لے لیا تھا... اب انہوں نے ایک ایک

کمرے کا غور جائزہ لیا... دیواروں کو خوب ٹھوک جاکر دیکھا... کہیں  
کسی تہ خانے کا کوئی سراں نہ ملا... تھک ہار کر وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔

”اب کیا کریں۔“  
”اسلام نے جو جھنڈے خاں کے بارے میں بتایا ہے... وہ

غلط نہیں ہو سکتا... واقعہ ضرور ہوا ہے... اور ایسے لوگ لاشوں کو  
باہر کہیں لے جانے کے خطرات مول نہیں لیا کرتے... وہ اندر ہی

ایسا انتظام کر رکھتے ہیں... لہذا ایساں تہ خانہ ہے ضرور... یوں بھی  
اس قسم کے لوگوں کی خفیہ سرگرمیاں تہ خانوں میں انجام پاتی

ہیں... ہمیں ایک بار پھر غور کرنا ہوگا۔“ محمود نے گویا تقریر کر ڈالی۔  
”لو کے... اب ہم تمام کمروں کے فرش غور سے چیک

کریں گے... کسی فرش میں کوئی فرق تو نہیں ہے... ہم دیکھ چکے  
ہیں... تمام فرشوں میں ٹائیلیں لگی ہیں... ٹائیلیں ہیں بالکل ایک

جیسی... اگر تہ خانے کا دروازہ کسی فرش میں کھلتا ہے تو اس کمرے کا  
فرش یا فرش کی ٹائیلیں دوسرے کمروں سے مختلف ہوں گی... ہمیں

اس فرق کا پتا چلانا ہو گا۔“

”تب پھر پہلے ٹانگوں کو گنتا جائے... ہر کمرے کے فرش کی کتنی ٹانگیں ہیں۔“ فاروق نے کہا۔

”ہاں بالکل۔“ فرزانہ نے تائید کی۔

”چلو گن لیتے ہیں... صار کیا جاتا ہے۔“

پھر انہوں نے تمام کمروں کے فرشوں کی ٹانگیں گنیں... تمام کمروں کی ٹانگیں برابر تھیں... ان کے رنگ اور ڈیزائن بھی بالکل ایک جیسے تھے... کسی میں کوئی فرق نہیں تھا... گویا سب کمروں کی ٹانگیں کتنی میں ایک جیسی تھیں اور ڈیزائن بھی... وہ ایک بار پھر سر جوڑ کر بٹھ گئے... ایسے میں اچانک فرزانہ زور سے اچھلی۔

”وہ مارا۔“

”خدا کا شکر ہے... ورنہ ہم تو سمجھے تھے کہ آج کی تاریخ میں شاید ہم کچھ نہ مار سکیں... چلو جلدی بناؤ... کیا مارا؟“

”میں نے ایک بات نوٹ کی ہے... اور بار بار اس کو غور سے چیک کیا ہے... میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔“ اس نے پر جوش انداز میں کہا۔

”چلو پھر بناؤ... دیر کیوں لگا رہی ہو۔“ فاروق نے منہ مٹایا۔

”ہر کمرے کی دیوار پر بالکل ایک جگہ یعنی آتش دہان کے اوپر ایک بڑی تصویر لگائی گئی ہے... تصاویر مختلف ہیں... کوئی تصویر سورج ابھرنے کے منظر کی ہے... کوئی ڈرتے منظر کی... یا پھر باغات

کی تصاویر ہیں... پھولوں کی تصاویر ہیں... بعض کمروں میں انسانی تصاویر بھی ہیں... لیکن صرف اور صرف ایک کمرے میں ایک تصویر ایسی ہے... جس میں ایک انسان دوسرے کی کمر میں خنجر گھونپ رہا ہے... اور اس کے چہرے پر خوف اور تکلیف کا ایسا منظر ہے کہ انسان کانپ جائے... میرا خیال ہے... تمہ خانہ اگر ہے تو اس کا راستا ہی کمرے میں کہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے ایسا ہو... لیکن ضروری نہیں۔“

”میں ضروری ہی خیال کرتی ہوں۔“

”چلو پھر... اس کمرے کا جائزہ حریہ نور سے لے لیتے

ہیں۔“

وہ فرزانہ کے ساتھ چلتے اس کمرے میں داخل ہوئے...

اس تصویر پر ان کی نظریں پہلے کبھی پڑی تھیں... ظاہر تو آرٹسٹ کی مہارت کا ثبوت تھی... اور دیکھنے والا واقعی یہ محسوس کرتا تھا جیسے خنجر کھانے والا اس تکلیف میں مبتلا ہے... جو تصویر بنانے والا ظاہر کرنا چاہتا ہے... انہوں نے اس تصویر کو دیوار پر سے اتار کر ایک طرف رکھ دیا... اور دیوار کو اس جگہ سے خوب غور سے دیکھنا شروع کیا... اب بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی... اس جگہ کو خوب ٹھونک جا کر بھی دیکھا گیا...

”انگل... آپ ہی کچھ کریں۔“ فرزانہ نے تنگ آ کر

پروفیسر داؤد کی طرف دیکھا۔



”لو کے... پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔“ انہوں نے منہ میلایا۔

”کیا کہہ دیا ہوتا۔“

”یہ کہہ کچھ کریں۔“

”تو اب کہہ دیا انکل... آپ اب کچھ کریں۔“

”ہاں ضرور... کیوں نہیں... میں کروں گا... اور ضرور

کروں گا... اس آتش دان کی راکھ بٹائی جائے۔“

”لیکن ہم راکھ کے نیچے دیکھ چکے ہیں۔“

”ایک بار اور دیکھ لو۔“

انہوں نے راکھ کو ادھر ادھر کر کے لوہے کے اس ٹکڑے کو دیکھا... جو آگ کے لیے لگایا گیا تھا... لیکن وہاں بھی کسی تہ خانے کا کوئی نشان نظر نہ آیا... خود پروفیسر صاحب نے بھی لوہے کے اس ٹکڑے کو انگلیوں کی مدد سے دیکھا... لیکن کچھ نہ ملا۔

”اب... اب کیا کریں... کیا ہم ناکام ہو جائیں گے اور عدالت میں پیر توڑے شاہ کے مذاق کا نشانہ بنیں گے۔“

”نہیں... ایسا نہیں ہو گا... جھنڈے خاں کا اگر قتل ہوا

ہے... تو اس کا خون رنگ ضرور لائے گا... یہاں سے اگر تہ خانہ

نہیں ملا... نہ سہی... اس کے قتل کا کوئی ثبوت تو مل... مل...

مل۔“ فرزانہ کہتے کہتے رک گئی... اس کی آنکھیں مارے حیرت کے

پھیل گئیں... اور پھر وہ پر جوش انداز میں پکار اٹھی :

”اف مالک... یہ... یہ کیا۔“

انہوں نے ادھر ادھر دیکھا... کچھ نظر نہ آیا... آخر ان کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں... محمود نے بے چین ہو کر پوچھا۔

”جلدی بناؤ فرزانہ... کیا نظر آیا ہے۔“

”خ... خون... خون۔“

”خون... کہاں ہے خون۔“ وہ پکار اٹھے۔

”خون کے چھینٹے... ہم نے اس قانونس کی طرف زیادہ توجہ

نہیں دی... اور شاید سر توڑے شاہ اور اس کے آدمیوں نے بھی اس

طرف دھیان نہیں دیا... چھت کے مین درمیان میں لگے ہک سے

لٹکے ہوئے اس عالی شان قانونس کو دیکھو... اس کے نچلے حصے پر خون

کے باریک قطرے لگے ہوئے ہیں... آخر یہ قطرے یہاں کہاں سے

آگئے... قانونس تو ہمیں ہر کمرے میں نظر آیا ہے... لیکن خون کے

چھینٹے صرف اس کمرے کے قانونس پر ہیں... تو کیا... جھنڈے خاں

کا قتل اس کمرے میں ہوا تھا۔“

”یہ جاننے کے لیے ہمیں فوری طور پر اسلام کو بلانا ہو گا...

لیکن نہیں اسلام باہر انکل اکرام کے ماتحتوں کی حفاظت میں پہلے ہی

موجود ہے... لہذا جان اسے اسی لیے ساتھ لائے تھے کہ شاید اس کی

ضرورت پیش آجائے... محمود... تم جاؤ اور اسلام کو لے آؤ... لیکن

اس کی حفاظت کا انتظام کر کے محل میں آنا... یہ سر توڑے شاہ کی

زندگی اور موت کا سوال ہے... اگر اسے بھٹک بھی پڑ گئی تو ہر ممکن

طریقہ سے اسلام کو ختم کرانے یا کرنے کی کوشش کرے گا۔  
 ”فکر نہ کرو... اب وہ شاید ہی ایسی کوشش کر سکیں... ہر  
 طرف خفیہ فورس موجود ہے۔“

”ہوں... اچھا۔“

وہ گیا اور اسلام کو ساتھ لے آیا...

”جھنڈے خاں کا قتل کس کمرے میں ہوا تھا۔“

”اسی کمرے میں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”واہ... جب تو مارلیا امید ان... پیر توڑے نے گولی اس کے

سر پر ماری تھی۔“

”جی ہاں... اور گولی بین کھوپڑی کے اوپر لگی تھی... یعنی

اوپر والے حصے پر۔“

”اوپر دیکھیں... فانوس پر چند قطرے نظر آرہے ہیں...“

کیا یہ خون جھنڈے خاں کا ہو سکتا ہے۔“

”اوہ... اس طرف تو شاید کسی کا بھی دھیان نہیں گیا... یہ

ضرور اسی کا خون ہے۔“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”محمود... انکل اکرام کو ہمیں بلالو۔“

اکرام اندر داخل ہوا... اس کے چہرے پر جوش تھا۔

”معلوم ہوتا ہے... تم لوگوں نے تہہ خانہ تلاش کر لیا

ہے۔“

”جی نہیں... البتہ۔“ فرزان مسکرائی۔

”البتہ کیا۔“

”البتہ ہم نے چند قطرے خون کے تلاش کر لیے ہیں اور وہ

خون یقیناً جھنڈے خاں کا ہے۔“

”کیا... نہیں۔“ اکرام چلا لیا۔

”کیوں انکل... آپ کو کیا ہوا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے... کیا ان لوگوں نے کہیں خون رہنے

دیا ہوگا۔“

”وہ دیکھیں انکل... فانوس پر خون۔“

”فہ... فانوس پر خون!؟“ فاروقی کھلا کر بولا۔

”کیا ہوا۔“ محمود نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہ... یہ تو کسی بادل کا نام ہو سکتا ہے۔“

”حد ہو گئی۔“ فرزان بھلا اٹھی۔

اوپر اکرام کی نظریں ان چند قطرے پر جم گئی تھیں... اس

کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آرہی تھی... کیونکہ یہ چند اسے

اور خفیہ فورس کے کارکنوں کو بالکل نظر نہیں آئے تھے...

”حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے۔“ اس کے منہ

سے نکلا۔

”اس میں افسوس کہاں سے آئیگا۔“

”افسوس اس لیے کہ ہمیں یہ کیوں نظر نہیں آئے۔“ اس

نے کہا۔



”اب آپ فوراً اپنا کام شروع کر دیں۔“  
 ”یوں نہیں... پہلے یہاں سر توڑے شاہ کو بلانا چاہیے۔“  
 اب انہیں بلایا گیا۔  
 ”آخر ہم نے ایک چیز تلاش کر لی۔“  
 ”کیا کہا... تم لوگوں نے ترہ خانہ تلاش کر لیا ہے۔“ پیر توڑے شاہ ہنسا۔

”ہم نے ترہ خانے کا لفظ نہیں بولا۔“  
 ”تب پھر تم نے کیا تلاش کر لیا ہے۔“  
 ”جھنڈے خاں کا خون۔“  
 ”کیا کہا۔“ انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔  
 ”جی ہاں اٹکل اسی کمرے میں ہوا تھا... اسلام اس بات کے گواہ ہیں اور خون کے یہ چند قطرے بھی گواہ ہیں۔“  
 ”کون سے خون کے چند قطرے... تم لوگوں کا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ پیر توڑے شاہ نے جھلا کر کہا۔  
 ”آپ ذرا سر اوپر اٹھانے کی زحمت کریں گے۔“  
 ”ہاں کیوں... کیا ہوا... کس طرف اٹھاؤں سر۔“ وہ غرایا۔  
 ”اس طرف... قانونس کی طرف... آپ نے اس قانونس کو نہیں دیکھا... نہ آپ کے کسی مرید نے دیکھا، ورنہ آپ کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“  
 ”کون سا دن... کیا کہہ رہے ہو۔“

”آپ نے اب تک قانونس کی طرف نہیں دیکھا۔“  
 اب اس نے قانونس کی طرف دیکھا... لیکن موٹی موٹی چیزیں دیکھنے والوں کو خون کے چند باریک قطرے کہاں نظر آتے... چند سیکنڈ تک مسلسل قانونس کو دیکھنے کے بعد اس نے ہنس کر کہا:  
 ”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“  
 ”آپ کی نظر تو کمزور نہیں ہے جناب۔“  
 ”کیا مطلب؟“ اس نے چونک کر کہا۔  
 ”کیا آپ کو خون سے چند قطرے نظر نہیں آ رہے۔“  
 ”کیا مطلب... کہاں۔“  
 ”وہ دیکھیے... دور ہے۔“  
 اب فرزانہ نے اٹکل کے اشارے سے قطرے دکھائے...  
 ”یہ... یہ کیا ہے... کس کا خون ہے۔“  
 ”یہ اس مظلوم کا خون ہے... جو رنگ لے آیا ہے... یعنی جھنڈے خاں کا... آپ نے اسے اسی کمرے میں گولی ماری تھی... کیا یہ غلط ہے۔“  
 ”بالکل غلط ہے۔“  
 ”تب پھر یہ خون یہاں کس کا ہے۔“  
 ”ہو گا میرے کسی مرید کا... کسی کے خون نکل آیا ہو گا... اس نے ہاتھ وغیرہ جھٹکا ہو گا... بس یہ خون یہاں لگ گیا، اس سے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ یہ خون جھنڈے خاں کا ہے۔“ اس نے بلند

آواز میں جلدی جلدی کہا۔

”یہ تو اور آسان بات ہو گئی۔“ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

”آسان بات ہو گئی۔“ اس کے لمبے میں حیرت تھی۔

”ہاں! آپ اس آدمی کو فوراً بلا لیں... جس کے خون نکل آیا تھا... اعلان کر انہیں تاکہ وہ فوراً آجائے... ہم اس کا خون اس خون سے ملا کر دیکھ لیں گے۔“

”کیسے دیکھ لیں گے... خون تو ایک جیسا ہوتا ہے۔“

”سب کا خون الگ الگ ہوتا ہے... تجزیے سے فوراً پتا چل جاتا ہے... آپ بلا لیں اس مرید کو...“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اچھی بات ہے... میں بلا تا ہوں ایسے مرید کو۔“

پھر اعلان کیا گیا... جلد ہی جس کے قریب آدمی آگئے... ان کے جسموں پر کہیں نہ کہیں کوئی زخم تھا... لیکن یہ سب زخم نئے تھے... دو تین دن پر ان زخم کسی کے جسم پر نہیں تھا۔

”معاف کیجئے گا جناب! یہ سب زخم بالکل تازہ ہیں... یہ ابھی ابھی لگا کر لائے ہیں... اس بات کی تصدیق تو ڈاکٹر صاحب بھی کر سکتے ہیں۔“

”حد ہو گئی... ایسا کون مرید آکر چلا گیا... یہاں تو سینکڑوں

مرید آتے ہیں... جاتے ہیں... اب میں اسے کہاں سے لاؤں۔“ اس نے جھلا کر کہا۔

”اچھی بات ہے... آپ یوں نہیں مانتے گے۔“ انسپکٹر

جمشید نے جل کر کہا۔

”کیا مطلب... یہ اس طرح نہیں مانتے گے... تو کس

اور طرح مانتے گے... اور آپ کو کیا معلوم یہ کس طرح مانتے گے۔“

”اب میں تہہ خانہ کھول کر دکھاؤں گا اور اس میں سے لاش

برآمد کروں گا... لاش نہ ملی تو لاش کو پانی بنا کر بہانے کا انتظام نیچے

موجود ہو گا۔“

”بابا بابا... انسپکٹر جمشید پاگل ہو گئے۔“ چیر توڑے شاہ نہا۔

”نہیں... میں نہیں... آپ... یہ دیکھیے... اس آتش دان

کے لوہے کے فرش کو۔“

”لیکن بابا جان... ہم اس کو دیکھ چکے ہیں۔“

”بھی تم نے اسے ہاتھوں سے ٹٹولا... اس میں کوئی بک

وغیرہ نہیں ملی... لیکن میں اس کو ذرا اور طریقے سے کھولوں گا...“

یہ کہتے ہی انہوں نے چیر توڑے شاہ کو ایک دم اٹھایا اور

لوہے کے فرش پر گرادیا...

فرش یک دم کسی ڈھکنے کی طرح نیچے گر گیا اور پیر توڑے

شاہ نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا... فرش پھر اپنی جگہ پر

آ گیا۔

”ارے! یہ کیا... بے چارے پیر صاحب کہاں گئے۔“

”نیچے... آؤ ہم بھی چلیں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے بھی فرش پر چلاٹک لگا دی... وہ بھی



عائب ہو گئے...

”ارے باپ رے... مجھے تو ڈر لگتا ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”لبا جان... کیا آپ خیریت سے ہیں۔“

”ہاں! میں خیریت سے ہوں... نیچے گدے چھہ ہیں...“

لیکن یہ پیر صاحب خیریت سے نہیں ہیں... اب ان پر سکتہ طاری ہے... کیوں کہ یہاں لاشوں کو پانی مٹانے کا پورا سامان موجود ہے اور

انسانی ہڈیاں بھی ایک طرف ڈھیر ہیں... آج آدم لوگ بھی۔“

انہوں نے بھی چھلانگیں لگا دیں... نیچے واقعی بڑا ہولناک

منظر تھا... اور کتنے ہی انسانوں کی ہڈیاں وہاں بکھری پڑی تھیں۔

”اف مالک... ہم تو ایک جھنڈے خاں کی تلاش میں نکلے

تھے... یہاں تو کئی جھنڈے خانوں کی لاشیں مل گئیں... اور اب تو

شاید پیر صاحب کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا ہو گا...

کیوں پیر صاحب۔“ یہاں تک کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا۔

پیر صاحب کے پاس واقعی کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا... چند

لمحے تک وہ نفرت زدہ انداز میں اس گھناؤنے ماحول کو دیکھتے رہے...

آخر انہوں نے اخباری نمائندوں کو فون کرنا شروع کیے... ادھر پیر

صاحب گویا زمین میں دھنسنے جا رہے تھے... کبھی باہر نہ نکلنے کے لیے...